اہل ہند پر "صابئین" کا اطلاق

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال ٹرسٹ

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصری والصبئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ج ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

ترجمہ۔ بیشک اہل ایمان اور جو لوگ یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابئین ہیں (ان میں سے) جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کیے تو ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۶۲)

اس آیت مبارکہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہیں، یہودی، نصرانی اور صابئین ہیں ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا ان کے اس عمل کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر اس آیت میں میرا موضوع تحقیق صرف صابئین ہیں کہ یہ قوم کون سی قوم ہے؟ اس کا مسکن کہاں ہے؟ یہ قوم کس مذہب کی پیروکار ہے؟ اس کا شمار اہل کتاب میں ہے یا مشابہ اہل کتاب میں ہے یا یہ محض تخیلات کے پیروکار ہیں؟

قرآن مجید میں کئی ایک بڑی بڑی معروف قوموں کے نام موجود ہیں جن میں سے چند ایک ایسے نام بھی ہیں جن کے بارے میں ہمارے مفسرین و مورخین تا حال یہ حتمی فیصلہ نہیں کر سکے کہ یہ کون سی قومیں ہیں ان میں سے ایک صابئین ہیں، یہ قوم بہت بڑی قوم تھی اور قرآن مجید نے بھی اس منفرد قوم کا مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ جیسی بڑی قوموں کے ساتھ ذکر کر کے اسے ایک اہم قوم قرار دیا ہے چنانچہ صابئین کو بھی ان تینوں قوموں کی طرح ایک بڑی مذہبی قوم کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے محققین، مفسرین، محدثین، مورخین اور فقہاء عظام نہ صرف اس قوم یا امت کا متفقہ دائرہ متعین نہیں کر سکے بلکہ اپنے مختلف فیہ اقوال کے باعث صابئین کی شناخت کو مزید دھندلا گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب قاری کا حقیقت تک پہنچنا مشکل تر ہو گیا ہے ان مختلف فیہ اور غیر تحقیقی اقوال کی ایک جھلک ملاحظہ ہو

حضرت حسن بصری صابئین کو ملائکہ پرست قرار دیتے ہیں۔[1]

بقول فقیہ ابو اللیث سمرقندی، امام ابو یوسف اور امام محمد انہیں فرشتوں کا پجاری قرار دیتے ہیں۔[2]

مجاہد کا ایک قول یہ ہے کہ صابئین کا کوئی دین نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کے درمیان کی ایک قوم ہے۔[3]

خلیل کا قول یہ ہے کہ صابئین کا دین نصاریٰ کے دین کے مشابہ ہے مگر یہ قوم حضرت نوح کے دین پر ہونے کی دعویدار ہے۔[4]

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ روم کے صابئین ستارہ پرست ہیں جبکہ ہندوستان کے صابئین بت پرست ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صابئین بت پرست نہیں بلکہ یہ لوگ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں نیز ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔[5]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، علامہ قرطبی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔ اسحاق نے کہا صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[6]

علامہ بیضاوی نے بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ صابئین ستارہ پرست ہیں۔[7]

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صابئین زبور کر پڑھنے والا اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے۔[8]

علامہ شامی لکھتے ہیں قہستانی کا قول یہ ہے کہ صابئین کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں اور بدائع میں مذکور ہے کہ صابئین زبور کو اپنی کتاب مانتے ہیں اور ممکن ہے ان کے بہت سے فرقے ہوں۔[9]

مولانا حسین علی واں بھچراں ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں والصابئین یہ لوگ بھی اہل کتاب ہی کا ایک گروہ ہیں فرقہ من اہل الکتاب۔[10]

مولانا محمد احمد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اور صابئین، مراد وہ فرقہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے یا فرشتوں کو پوجتے، ایران کے قدیم آتش پرستوں کو اور ہندوستان کے قدیمی بت پرستوں کو اسی فرقہ کی شاخیں ہونا بتلایا گیا ہے۔[11]

ہمارے مفسرین و فقہاء کے مذکورہ اقوال سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صابئین ملائکہ پرست یعنی

فرشتوں کے پجاری ہیں۔۔۔ بے دین ہیں۔۔۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا مکسچر ہیں۔۔۔ ان کا دین عیسائیوں کے دین کے مشابہ ہے۔۔۔ یہ اپنے آپ کو دین نوح کا پیروکار کہتے ہیں۔۔۔ رومن صابئی ستارہ پرست ہیں۔۔۔ ہندوستانی صابئی بت پرست ہیں۔۔۔ ستاروں کو مؤثر مانتے ہیں۔۔۔ یہ بت پرست نہیں۔۔۔ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جیسے ہم کعبے کی تعظیم کرتے ہیں۔۔۔ یہ موحد ہیں۔۔۔ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں۔۔۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے بت پرست صابئی ہیں۔ زبور پڑھنے والے اہل کتاب ہیں۔ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔ یعنی مذکورہ گیارہ حوالوں میں صابئین کو پندرہ شکلوں میں متشکل کیا گیا ہے، یہ گنجلک صورتحال اس لئے پیدا ہوئی کہ صابئین ایک انتہائی قدیم قوم ہے جو روم، جزیرۃ العرب، شمالی افریقہ، فارس اور ہندوسندھ میں مقیم تھی، یہ قوم مختلف خطوں میں منقسم ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف فرقوں میں بھی بٹتی گئی یہی وجہ ہے کہ محققین کو اس کی شناخت میں دقت پیش آئی۔

صابئین کی شناخت کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید میں جن صاحب شریعت رسولوں کا ذکر خصوصی اہمیت کے ساتھ بار بار آیا ہے ان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

واذاخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراہیم وموسیٰ و عیسی ابن مریم ص واخذنا منھم میثاقا غلیظا۔

ترجمہ۔ اور جب ہم نے لیا نبیوں سے ان کا اقرار، اور آپ سے اور نوح وابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور لیا ہم نے ان سے پکا عہد و اقرار (سورہ احزاب آیت ۷)

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی او حینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقو فیہ۔ (ترجمہ) تمہارے لئے (اللہ نے) وہی دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (سورۂ شوریٰ آیت ۱۳)

سورۂ احزاب کی آیت (۷) میں پختہ عہد و اقرار کے حوالے سے جن پانچ محترم و مکرم رسولوں کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے انہی پانچ رسولوں کو عطائے دین اور پھر اسکو اپنی اپنی امتوں میں قائم رکھنے اور

تفرقہ نہ ڈالنے دینے کا حکم سورۂ شوریٰ میں دیا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا محکم و مستحکم دین تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اصول عقائد اور مہمات دین میں بھی مشترک ہیں مگر یہ اشتراک حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت شیث کے آخری عہد اور حضرت نوح علیہ السلام کے ابتدائی عہد تک انسانوں میں کفر و شرک کی آمیزش ہو چکی تھی اس لئے حضرت نوح پہلے صاحب شریعت رسول ہیں جن کو یہ مہمات و معاملات پیش آئے اب صابئین کی شناخت اور احزاب و شوریٰ کی آیات کے دونوں زاویوں میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ جس طرح بڑی بڑی قوموں، مسلمان، یہودی، نصاریٰ اور صابئین (بقرہ آیت ۶۲) کا ایک ساتھ ذکر ہوا ہے اسی طرح صاحب شریعت رسولوں حضرت محمد مصطفی، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر دو بھی دین کے حوالے سے ایک ساتھ ہوا ہے۔ مسلمان، یہودی اور عیسائی اپنے اپنے پیغمبروں کی امت سے معروف و مشہور ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے قرآن میں مذکور تو ہیں۔ (۱۲) مگر مفقود ہیں لیکن ان کا دین، دین حنیف اور ان کی امت حنفاء مکہ کتب تواریخ و تذکرہ میں موجود و مذکور ہیں لیکن حضرت نوح علیہ السلام کے دین اور ان کی قوم و ملت کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اسی طرح صابئین جیسی بڑی قوم کی محققین کی طرف سے کوئی متفقہ نشاندہی نہیں ملتی۔ ایران و جزیرۃ العرب کے مفسرین عظام کے اقوال اور چند صحابہ و تابعین کی روایات یا تو اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں یا محض قیاسات ہیں۔ نیز ہمارے مفسرین، محدثین، مورخین اور فقہاء عظام نے صابئین کا جو حدود اربعہ متعین فرمایا ہے وہ شام، عراق اور ایران کی فصیل میں ہے، شام اور عراق میں صبی نام کا ایک بہت ہی اقلیتی فرقہ پایا جاتا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا دعویدار تھا یہ فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ما قبل کے تمام انبیاء کرام کو تسلیم کرتا تھا لیکن مابعد کے کسی نبی کو نہیں مانتا تھا ہمارے اہل علم اسلاف نے زیادہ تر اسی صبی فرقہ کو ہی صابئین قرار دیا ہے۔

سورۂ احزاب اور شوریٰ کی آیات کے پیش منظر میں قرائن اس بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ صابئین ہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں جیسا کہ ابتداء میں گذر چکا ہے نیز مولانا شمس نوید عثمانی لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر میں عبدالرحمٰن بن زید کا یہ قول درج ہے کہ صابئین اپنے آپ کو حضرت نوح کے دین پر بتاتے تھے۔[۱۳] اس کے علاوہ صابئین کو اہل کتاب یا اہل کتاب کا فرقہ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ ابتداء میں مذکور ہوا مگر ان کی کتاب کی نشاندہی کسی نے نہیں کی۔

صابئین کی شناخت کا تیسرا طریقہ اقوام کی تقسیم کے حوالے سے بھی متعین کیا جا سکتا ہے جیسا کہ سید سلیمان

ندوی لکھتے ہیں اسلام نے دنیا کی تمام اقوام کو چار انواع میں تقسیم کیا ہے اول مسلمان یعنی جو لوگ قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں دوم اہل کتاب یعنی وہ اقوام جو قرآن میں مذکور آسمانی کتب وصحائف میں سے کسی ایک کے پیروکار ہوں، سوم مشابہ اہل کتاب یعنی وہ اقوام جو کسی آسمانی کتاب کی پیروی کے دعویدار ہوں لیکن وہ کتاب یا صحیفہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ چہارم کفار یعنی وہ منکرین قومیں جو کسی آسمانی کتاب کی پیروکار نہیں ہیں۔[۱۴] سید سلیمان ندوی کی تحریر کردہ ان انواع میں دو مزید قسموں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ پنجم وہ قوم جو کہ اپنی کتاب کو آسمانی کتاب یقین کرتی ہو مگر قرآن اس کتاب کے معروف نام کی تصدیق نہ کرتا ہو لیکن اس کتاب کی بیشتر تعلیمات واحکامات الہامی کتب سے مشابہ ہوں، ششم وہ قوم جو کسی کتاب وصحیفہ کی دعویدار تو نہ ہو مگر اپنے عقائد کو الہامی تعلیمات کا حصہ سمجھتے ہوں جیسے مکہ کے حنفاء۔

اقوام کی مذہبی تقسیم میں غور کرنے سے مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور حنفاء مکہ کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے کہ یہ قومیں حضرت محمد مصطفی، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوۃ والسلام سے منسوب ہیں لیکن حضرت نوح کی قوم پردۂ اخفاء میں ہے اور قوموں میں صابئین کس پیغمبر کی قوم ہیں یہ بھی پردۂ اخفاء میں ہے ایسی صورت میں جب قرائن وقیاسات اس کی اجازت وشہادت دیتے ہیں اور ہمارے بعض علماء ان کو اہل کتاب، مشابہ اہل کتاب قرار دے کر ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی خواتین سے نکاح کو جائز قرار دے چکے ہیں تو صابئین کو قوم نوح تسلیم کرنے میں منطقی طور پر کیا حرج ہے۔

صابئین کی شناخت کا چوتھا زاویہ اسطرح ہے کہ دنیا بھر کی تمام قوموں کو دو نسلوں یعنی سامی اور غیر سامی میں تقسیم کیا گیا ہے یہودیوں، عیسائیوں اور جزیرہ نمائے عرب کے تمام بنی اسماعیلیوں کو سامی یعنی سیمیٹک (Semetic) نسل قرار دیا جاتا ہے جبکہ آرین قوموں کو غیر سامی یا آرین نسل شمار کیا جاتا ہے اس تقسیم کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر مزید طرہ یہ کہ قرآن مجید بھی نوع انسانیت کی دو نسلوں میں تقسیم کی تائید کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے ایک نسل کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام سے ہے اور دوسری کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ ادم ق وممن حملنا مع نوح ز ومن ذریۃ ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا ط۔

ترجمہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے انبیاء سے جو کہ اولاد آدم سے ہیں۔ اور (ان کی اولاد میں سے) بعض کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم واسرائیل

(یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے ان کو پسند کیا۔[۱۵]

اس آیت میں منعم علیھم انبیاء کرام کی دو نسلوں کا واضح ذکر ہوا ہے یعنی اولاد آدم میں سے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل الگ ہے اور حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل یعنی بنی اسمٰعیل و بنی اسرائیل الگ ہیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہودی اور عیسائی بنی اسرائیلی ہیں تو حجاز کے قبائل بنی اسمٰعیلی ہیں اور یہ دونوں اولاد ابراہیم ہیں جنھیں سامی کہا گیا ہے مگر حضرت نوح اور آپ کے ساتھیوں کی نسل کونسی ہے؟ تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صابئین ہی حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل ہے اور یہی آرین ہیں۔ یہی قوم نوح ہیں، یہی ملت نوح ہیں جو ایران ودیگر ممالک کے علاوہ ہندوستان میں بھی مقیم ہیں۔

کیا صابئین اہل ہند ہیں

مذکورۃ الصدر چار زاویوں میں حسن تطبیق سے روز روشن کی طرح ایک نتیجہ تو یہ طلوع ہوا کہ صابئین ہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں اور دوسرا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آرین اور ہندو سندھ کی قومیں ہی صابئین ہیں پھر ایک دور ایسا بھی آیا تھا کہ آرین، حملہ آور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رچ بس گئے یعنی آرین بھی انڈین ہو گئے گویا تین سے پانچ ہزار سال قبل مسیح صابئین کی وسیع اکثریت ہندوستان میں جمع ہوگئی تھی۔ آرین صابئین ستارہ پرست تھے جبکہ ہندوستانی صابئین چاند پرست تھے۔ مگر غاصب مذہب نے چاند پرستوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ جیسا کہ سید قاسم محمود لکھتے ہیں ہندوؤں کے عقائد، آریوں کا مذہب، بیتا، رتھ وید، رامائن وغیرہ ان کی مذہبی کتب ہیں ان کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہ چند کتب وید پر مشتمل ہیں جن کی تاریخ تشکیل کے بارے میں ہندوستان اور بین الاقوامی مؤرخین میں شدید اختلاف ہے بعض آراء کے مطابق یہ (وید) ازل سے چلی آرہی ہیں اور خیالات کی رو سے یہ پانچ ہزار سال قبل مسیح میں مرتب ہوئی ان کا مذہب آریائی مذہب سے متاثر ہوا۔[۱۶]

اس حوالے سے کہ اہل ہند ہی صابئین ہیں اور یہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں، محققین کے افکار ونظریات ملاحظہ فرمائیں۔ سید سلیمان ندوی صابئین کو قدیم ہندوستانی تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں، اپنی اپنی مزاجی کیفیت کی بناء پر وہی صورتیں متابعۂ شبہ اہل کتاب میں بھی ہیں جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے متعارف کرایا ہے وہ مجوس اور صابئین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں۔[۱۷] اسی سے ملتی

جلتی بات مولانا عبید اللہ سندھی نے بھی اپنے مضمون میں لکھی ہے کہ ایران اس زمانے میں آرین یعنی صابی قوموں کا مرکز بن چکا تھا، اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی۔ ۱۸

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صابی قوموں کو ایران سے پہلے ہندوستان میں مرکزیت حاصل تھی اور صابئین مشابہ اہل کتاب ہیں، نیز ہمارے محققین علمائے تفسیر نے صابئین کے متعلق جو متضاد قیاسات تحریر کیے ہیں وہ سب کے سب اہل ہند پر پورے اترتے ہیں اگرچہ مفسرین نے مختلف قوموں کو صابئین قرار دیا ہے مگر فی زمانہ وہ جملہ تصریحات وقیاسات اہل ہند میں ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے مختلف ادوار میں مختلف قومیں صابئین کی تعریف پر پوری اترتی ہوں۔ لیکن موجودہ دور میں یہ تعریفات وتصریحات اسی ہندی قوم پر ہی صادق آتی ہیں، ہندو مذہب کے محقق مولانا شمس نوید عثمانی نے ہندوؤں اور صابئین کے مذہبی مشترکات میں جو تطبیق دی ہے اس کی مختصر تلخیص یہ ہے کہ موصوف عثمانی صاحب نے صابئین کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اسحٰق، ابو الزناد، ابن تیمیہ، امام غزالی، امام راغب اصفہانی، معالم، ابن جریر، ابن کثیر، امام کلبی، علامہ شوکانی، قاضی بیضاوی، عبد الماجد دریا بادی اور سید سلیمان ندوی کے مختلف اقوال اکٹھا کر کے نتیجے کے طور پر ہندوؤں اور صابئین کے کئی مذہبی مشترکات اخذ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل ہند ہی صابئین ہیں۔ ۱۹

اس امر کے مبرہن ہونے میں کوئی التباس نہیں رہا کہ صابئین کا اطلاق اہل ہند پر ہی ہوتا ہے اور آرین صابئین بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں برس پہلے ہندوستان میں آ گئے تھے اور جو محققین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر اور ہندوستان میں آنے کے دعویدار ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آرین یعنی ہندی صابئین کو بھی پیغام حق پہنچایا تھا اور اسی طرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اشارہ کیا ہے کہ۔۔۔ مسیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنہوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دگر صابئین یا آرین قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی۔ ۲۰

اہل ہند قوم نوح ہیں؟

ویدک دھرم یعنی ہندوؤں کا مذہب متفقہ طور پر تمام مذاہب میں سے قدیم ترین مذہب ہے جبکہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت رسول ہیں، ویدک دھرم کی قدامت اور صاحب شریعت رسول ہونے میں حضرت نوح علیہ السلام کی اولیت کے مابین حسن تطبیق موجود ہے یعنی اہل ہند ہی قوم نوح ہیں چنانچہ فرانسیسی مصنف اے۔ جے۔ اے ڈیوبوئیس نے چالیس برس تک ہندو

تہذیب وتمدن اور ان کی مذہبی رسوم ورواج پر تحقیق کرنے کے بعد جو محققانہ ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔۔۔ عملی طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ جس سیلاب عظیم نے پوری دنیا کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کر دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی ہندوستان آباد ہوا تھا۔ ۲۱ یعنی ہندوستان کی انسانی آبادی حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کی نسل ہے یہی ڈیوبوئیس مزید لکھتے ہیں۔۔۔ مختصر یہ کہ ہندو جس مشہور شخصیت سے بہت عقیدت رکھتے ہیں اس کا نام مہانووو (Mahanuvu) ہے جو سات رشیوں سمیت کشتی کے ذریعے طوفان، سیلاب سے محفوظ رہے وہ شخصیت مہانووو، مہا نووو، دو لفظوں کا مرکب ہے ایک مہا یعنی عظیم اور دوسرا نووو جو کہ بلاشبہ نوح ہی ہے۔ ۲۲ نیز اسی مہانووو ہے کو ویدوں اور پرانوں میں منو بھی کہا اور لکھا گیا ہے اور اس شخصیت سے مراد بھی حضرت نوح کو ہی لیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ منو کا لفظ دیگر ہندو مذہبی شخصیات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے لیکن ویدوں اور پرانوں میں مذکور منو سے مراد یقیناً نوح علیہ السلام ہیں جیسا کہ ویدوں کے انگریز شارح گرفتھ نے رگ وید ۱۳ کے چوتھے اشلوک میں لفظ منو کی تشریح میں لکھا ہے کہ۔۔۔ منو بہترین شخصیت کے حامل اور انسانوں کے نمائندہ تھے جملہ نوع انسانیت کے باپ اور پہلی شریعت کے شارع تھے۔ گرفتھ کی یہ بات اس لئے قابل قبول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اولین صاحب شریعت رسول ہونے اور سیلاب عظیم کے بعد نسل انسانی کے باپ (آدم ثانی) ہونے میں کسی کو اختلاف ہی نہیں ہے۔

ہندو مذہب وتہذیب کے محقق ڈیوبوئیس، منو یا مہانووو کو (حضرت) نوح قرار دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔۔۔ یہ سات رشی جس کشتی میں سوار ہو کر (سیلاب کی) عالمگیر تباہی سے بچ گئے تھے اس کشتی کو وشنو یعنی خدا خود چلا رہا تھا۔ بچ جانے والوں میں ایک اور عظیم شخصیت منو (مہانووو) کی تھی جسے میں نے دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے کہ وہ شخصیت نوح کے علاوہ کوئی نہیں تھی۔ نیز اسی سیلاب کا تفصیلی ذکر توریت وانجیل کے مقابلے میں ہندو کتب میں تفصیل سے ملتا ہے۔ ۲۳ علاوہ ازیں اہل ہند کے قوم نوح ہونے میں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اکثر قومیں اور ملتیں اپنے اپنے پیغمبر کے حوالے سے ہی اپنے سال یا سنین مقرر کرتے ہیں جیسے مسلمان حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے اپنا سن شمار کرتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے اپنا سن مقرر کرتے ہیں اسی طرح اہل ہند اپنے اہم واقعات کو سیلاب نوح سے شمار کرتے ہیں اس کے لئے یہ سیلاب نوح سے ہر ساٹھ سال کے دورانیہ یا وقفہ کو ایک اکائی یعنی ایک سال مانتے ہیں، اس کی تائید اے جے اے ڈیوبوئیس کے اس پیراگراف سے ہوتی ہے۔۔۔ ہندوؤں کا موجودہ یگ، کل یگ تقریباً سیلاب نوح کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ اس واقعہ کو واقعی یادگار واقعہ

لکھتے ہیں۔ ہندو مصنفین اس واقعہ کو جل پرلیاون (پانی کا سیلاب) کا نام دے کر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس موجودہ یگ کی تاریخ کا آغاز یعنیا جل پرلیاون کے آغاز سے منسوب و معنون ہے اور یہ بات بہت ہی حیرت انگیز ہے کہ اہل ہند اپنے تمام اہم واقعات و معمولات اور مشہور عوامی یادگاروں کی تاریخ یا سن کو ایک سیلاب کے خاتمے سے شمار کرتے ہیں اور ہر ساٹھ سال کا ایک سال قرار دے کر عوامی و نجی واقعات کو شمار کرتے ہیں۔[۲۴]

اہل ہند کی حضرت نوح علیہ السلام سے نسبت خواجہ غلام فرید (کوٹ مٹھن م ۱۹۰۱ء) کے ایک طویل ترین مقبوس سے بھی ثابت ہوتی ہے جسکے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ۔۔۔ جو کچھ شاستر یعنی چاروں ویدوں میں ہے یہ آدم ثانی (حضرت نوح) کا مذہب اور شریعت ہے یہ مذہب بہت قدیم اور ابتدائی ہے اس کی قدامت پر میرے پاس ایک قوی دلیل ہے وہ یہ کہ ہر مذہب و شریعت کے لوگ دوسرے مذاہب میں داخل ہوتے ہیں چنانچہ یہودی، یہودی مذہب میں، یہودی عیسائی مذہب میں اور عیسائی یہودی مذہب میں اور یہ تینوں ملت محمدی میں داخل ہوتے ہیں بخلاف مذہب شاستر کے کہ اس میں کسی مذہب کا آدمی داخل نہیں ہوتا۔[۲۵] اسی طرح خواجہ غلام فرید نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ۔۔۔ اہل شاستر قیامت کو پرلو کہتے ہیں اور انکے نزدیک پرلو تین صورتوں میں آتی ہے پانی سے، ہوا سے، اور آگ سے چنانچہ پانی کی قیامت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ فلاں الحشیر کی کشتی کو مچھلی نے اپنی پشت کا سہارا دے کر بچایا وہ الحشیر نوح علیہ السلام ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس آبی پرلو کو دو ارب چند لاکھ، چند ہزار اور چند سال گزر چکے ہیں، یہ بھی درست ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے والی تاریخی روایات صحیح نہیں رہیں او رنوح علیہ السلام ان سے پہلے تھے اور ان کے زمانے کو بہت مدت گذر چکی ہے۔[۲۶] خواجہ غلام فرید نے اہل ہند کی مذہبی قدامت پر جو دلیل قائم فرمائی ہے وہ مشاہدہ کے عین مطابق ہے اسی طرح طوفان نوح اور اہل ہند میں جو تعلق قائم فرمایا دیگر حوالہ جات اسکی تائید کرتے ہیں اسطرح یہ نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہو گئی ہے کہ اہل ہند ہی قوم نوح ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب سورہ ھود کی آیت ۴۸ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "اس ارشاد کے بعد دنیا میں ساری انسانی آبادی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہے قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا ہے وجعلنا ذریتہ ھم الباقین یعنی اس واقعہ کے بعد دنیا میں باقی رہنے والی سب قومیں صرف نوح علیہ السلام ہی کی ذریت و اولاد ہونگی اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو اہل تاریخ آدم ثانی کا نام دیتے ہیں" (معارف القرآن)۔ مفتی صاحب کی تفسیر میں اہل تاریخ کا یہ جملہ شامل کر دیا جائے کہ طوفان نوح کے بعد سب

سے پہلے ہندوستان ہی انسانی آبادی سے آباد ہوئے اور اہل ہندوستان ہی وعلی امم ممن معک کا مصداق یعنی آپ کے ساتھ کشتی میں سوار امتوں (بقول اہل ہند سات رشیوں) کی اولاد ہیں تو پھر اہل ہند کو امت نوح تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہیں رہے گی۔

نیز آریاؤں کی قدیم مذہبی کتابوں میں طوفان نوح کا ذکر توریت وانجیل سے بھی تفصیلی مذکور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے فوراً بعد ہی حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کی اولاد برصغیر تک پھیل گئی تھی۔ اور اسی کا دعویٰ آئینہ گجرات نامی کتاب میں کیا گیا ہے علاوہ ازیں اسی گجرات کے ایک قانون دان و محقق ایم زمان کھوکھر انے اپنے ضخیم تحقیقی مقالے میں مانڈہ، بڑیلہ، گجرات اور گرد و نواح میں اولاد نوح کی قبور کی نشاندہی کی ہے جس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ہندوستان سے تعلق رہا ہے وہ مزید لکھتے ہیں کہ مانڈہ کے قریب ۲۴۰ فٹ چوڑا ایک قدیم ترین مزار ہے جو صدیوں سے مرجع خلائق ہے ہندو اس مزار کو منومہرست کے نام سے پکارتے ہیں۔ منومہرست سنسکرت کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کشتی والا، اور عبرانی زبان میں نوح کا معنی بھی کشتی والا ہے۔[۲۷] نیز ہند میں حضرت نوح کے ہونے کی ایک اور شہادت ملاحظہ ہو، زنگھا گروال لکھتے ہیں کہ آرین جن کو ہندوستان میں فادر منو (باپ نوح) لے کر آئے تھے وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔

[۲۸]

ویداور صحف اولی

اہل ہند کا یہ یقین ہے کہ وید خدا کا کلام ہیں، جن کے ایک لفظ کی تبدیلی بھی جائز نہیں ہے جبکہ دوسری کتب جیسے پران، اپنشد، براہمن، سمرتیاں وغیرہ یہ سب ویدوں کی تفاسیر ہیں جن کا مفہوم تو خدا کی طرف سے تسلیم کیا جاتا ہے لیکن الفاظ کو انسان سے منسوب یقین کیا جاتا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ تفسیری الفاظ اگر بدل جائیں تو کوئی حرج نہیں مگر مفہوم نہ بدلے۔ جیسا کہ کلیان پدم میں تحریر ہے کہ۔۔۔ خدا کے اپنے الفاظ کو کوئی بولنے والا ویسے ہی مطلب والے دوسرے الفاظ سے نہیں بدل سکتا۔ اگر کسی نے الفاظ بدل ڈالے تو اسے خدا کے الفاظ نہیں کہا جائے گا۔ اس قاعدہ و قانون کے تحت وید کے الفاظ خدا کے الفاظ ہی ہیں، یہی نہیں بلکہ جملہ میں الفاظ کی ترتیب بھی نہیں بدلی جا سکتی۔[۲۹]

جبکہ عام ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ۔۔۔ وید شرتی گیان ہیں یعنی سنا ہوا یا سنایا جانے والا علم، جو کہ محض حافظ کے زور پر ہزاروں برس سے پنڈتوں کے ذریعے سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے۔۔۔ اصل وید ایک ہے

جسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔۔۔۔ وید دیو واتی ہیں یعنی کلام الٰہی ہیں جبکہ مہا بھارت اور رامائن کو رشیوں کا کلام تصور کرتے ہیں۔۔۔۔ وید برہم کا گیان ہیں یعنی خدا کا ذاتی کلام ہیں۔۔۔۔ وید دو طرح کے علوم پر مشتمل ہیں یعنی وید منتر شروتی ہیں یعنی سنا ہوا محکمات کا علم ہیں اور وید تنتر شروتی یعنی سنا ہوا متشابہات کا علم ہیں۔۳۰؎

پنڈت شری رام شرما جی۔ وید کے متعلق مکس ملر (Max Muller) کا ایک پیراگراف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آرین انسان سے وابستہ یہ سب سے پہلے بولے جانے والے (وید کے) الفاظ ہیں۔ ان کا تعلق دنیا اور انسان کی تاریخ سے ہے۔ (وید کے یہ الفاظ) گذشتہ نسلوں کی یادگار ہیں نسل انسانی کی آرین شاخ سے متعلق طویل کتابی سلسلوں کی پہلی کتاب ہیں۔۳۱؎ اسی طرح مذاہب عالم کے محقق لیوس مور لکھتے ہیں کہ دنیا میں موجود تمام مذاہب میں قدیم ترین مذہب غالباً ہندو مذہب ہے، بہت سے مذاہب جو آج فعال کردار ادا کر رہے ہیں یا جو محض اپنی حیات کے لئے سعی کر رہے ہیں ان میں کچھ تو چھ سو سال قبل مسیح کے ہیں یا بعد مسیح وجود میں آئے ہیں۔ انکے مقابلے میں ہندو مذہب کافی پہلے سے نظر آتا ہے۔ بعض محققین مذاہب کے مطابق تو تین ہزار سال قبل مسیح بھی ہندو مذہب کے واضح خدوخال یا نظریات مل جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر فعال مذہب میں ہندو مذہب کا کوئی نہ کوئی تصور، فکر، سوچ مل جاتی ہے۔۳۲؎

ہندو مذہب کی قدامت تو مسلم ہے اور اغلب گمان یہی ہے کہ صابئین اہل ہند ہی ہیں اور اہل ہند کی واضح اکثریت ویدوں کے کلام الٰہی ہونے کا پختہ عقیدہ رکھتی ہے لیکن یہ بات وہ بھی نہیں جانتے کہ وید کس پیغمبر کے حوالے سے دنیا میں آئے ہیں، جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کو ایک عظیم شخصیت تسلیم کرتے ہیں اور اسے مہا نووہ، منو اور منو مہرست اور نیوح کے نام سے انتہائی عقیدت سے پکارتے ہیں۔ بعض اہل فکر و نظر ہند مصنفین اہل ہندو کو نوح علیہ السلام کی قوم اور بعض اہل فکر و نظر اہل ہند کو نوح علیہ السلام او رسات رشیوں کی اولاد قرار دیتے ہیں اس کے باوجود اہل ہند وید کو آسمانی الہامی کتاب تو یقین کرتے ہیں مگر کسی نبی کو نہیں مانتے جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کے عرب متکلم مطہر بن طاہر اہل ہند کے مذہب پر تفصیل بحث کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہندوستان میں ۹۰۰ مذہبی فرقے ہیں جن میں سے صرف ۹۹ فرقوں کے بارے میں معلومات ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ چار اصولوں میں محدود کل ۴۵ مذاہب ہیں جو ۹۰۰ فرقوں میں منقسم ہیں اس سے بھی بڑی حقیقت یہ ہے کہ اصل میں صرف دو ہی مذہب ہیں ایک سمنی یعنی بدھ مت اور دوسرا برہمنی ہے جس کے کچھ لوگ توحید (خدا کی وحدانیت) اور جزا و سزا کے قائل ہیں مگر رسالت کے

نہیں جبکہ کچھ لوگ توحید و رسالت کے قائل نہیں البتہ عقیدہ تناسخ کے اصول پر جزا و سزا کے قائل ہیں نیز برہمن فرقہ کے لوگ بت پرستی کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ادراک، علم جس سے فوق تر ہے اور حواس کی گرفت سے ماوراء ہے اس لئے درمیانی واسطہ کی ضرورت ہے۔۳۳؎

خلاصہ یہ ہے کہ اہل ہند کا یہ عقیدہ تو پختہ ہے کہ وید الہامی ہیں، مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے لیکن جسطرح ہم موجودہ توریت و انجیل کو تحریف شدہ تسلیم کرتے ہیں اسی طرح ہم وید کو بھی تحریف شدہ الہامی کتاب تسلیم کرلیں یا کم از کم وید کے ان حصوں کو جو قرآنی احکامات سے مطابقت رکھتے ہوں۔۳۴؎ کو تسلیم کرلیں تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ اسی طرح اہل ہند کو یہ باور کرایا جائے کہ تمہاری معبود ذہنی الہامی کتاب وید جس کو اپنا پیغمبر قرار دیتی ہے وہ کشتی والا پیغمبر ہے جسے تم مہا نووہ، منو، منو مہرست اور نیوح کے نام سے عقیدت کا مرکز سمجھتے ہو، جسے تم اپنی قوم (اہل ہند) کا بانی اور باپ یقین کرتے ہو وہی تمہارا پیغمبر ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اور اس طرح سورۂ بقرہ کی آیت ۶۲ سورۂ احزاب کی آیت ۷، اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں حسین تطبیق بھی ہو جائے گی کہ یہودی حضرت موسیٰ سے منسوب ہیں اور انکی کتاب توریت ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ سے منسوب ہیں اور ان کی کتاب انجیل ہے مکہ کے حنفاء حضرت ابراہیم سے منسوب ہیں اور صحف ابراہیم ان کی کتاب ہے۔ مسلمان نبی آخر الزمان محمد مصطفی ﷺ سے منسوب ہیں اور ان کی کتاب قرآن مجید ہے اور اہل ہند یعنی صابئین حضرت نوح علیہ السلام سے منسوب ہو جائیں تو وید ان کی کتاب ہوگی اس تطبیق پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید اشارۃً کنایۃً بھی وید کی تصدیق نہیں کرتا اور قرآن میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ توریت، زبور، انجیل کے علاوہ باقی کتب و صحف سابقہ کے اسماء قرآن مجید میں مذکور ہی نہیں ہے۔ اسی طرح صحف ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) کے علاوہ بھی باقی صحف اولین کے متعلق قرآن میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ یہ کن پیغمبروں سے معنون ہیں۔ اور یہی صورت زبر الاولین سے متعلق ہے نیز قرآن مجید ہمیں حضرت داؤد علیہ السلام سے معنون جس زبور نامی کتاب سے روشناس کراتا ہے۔ آج کی دنیا میں بجز مسلمانوں کے زبور کے اس نام سے کوئی واقف نہیں ہے۔ دنیا میں زبور کو سام (Psalm) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ نام ہمیں قرآن میں کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن ہمیں جس نصاریٰ قوم سے آگاہ کرتا ہے دنیا میں وہ عیسائی یا کرسچین کے نام سے معروف ہیں۔ نصاریٰ کے یہ دونوں نام ہمیں قرآن میں نہیں ملیں گے۔ قرآن ہمیں حضرت ایوب علیہ السلام کا نام بتاتا ہے مگر عبری زبان میں یہ نام اوب ہے جبکہ عبری اور عربی میں مشترک یہ نام یوباب ہے۔ یہ دونوں نام قرآن میں نہیں ہیں۔ اسی طرح قرآن ہمیں ایک پیغمبر یحییٰ علیہ السلام کا نام بتاتا

ہے جبکہ باقی مذاہب اس نام سے واقف نہیں وہ انہیں یوحنا کہتے ہیں ممکن ہے صحف الاولی کا نام دنیا میں وید ہو، جسطرح ہم سام کو زبور کے نام سے تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو نصاریٰ کے نام سے تسلیم کرتے ہیں اوب اور یوباب کو ایوب کے نام سے تسلیم کرتے ہیں تو وید کو ہم صحف اولی کے نام سے اور اہل ہند کو صابئین کہنے میں کیوں کترا رہے ہیں یا اس ویدک دھرم والی قوم کو قوم نوح ماننے سے کیوں ہچکچا رہے ہیں جبکہ محققین مذاہب اور ماہرین انساب انہیں قوم نوح تسلیم کر چکے ہیں۔ بالفاظ دگر جو خود کو نصاریٰ نہیں کہتے ہم انہیں نصاریٰ کہہ رہے ہیں، جو اپنی کتاب کو زبور نہیں کہتے ہم اسے زبور کہہ رہے ہیں جو اپنے پیغمبر کو ایوب نہیں کہتے ہم انہیں ایوب کہہ رہے ہیں، لیکن جو قوم ہزاروں سال سے اپنے ویدوں کو آدگرنتھ اور آدگیان (صحف اولی اور زبر الاولین) کہہ رہے ہیں انہیں کلام خدا کہہ رہے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق ان میں تحریف کے قائل بھی نہیں تو پھر ان ویدوں کو موجودہ توریت وانجیل کے زمرے میں تسلیم کیوں نہیں کیا جاسکتا۔

صحف اولی اور زبر الاولین

جب ہم قرآن مجید میں کتب سابقہ کے نام تلاش کرتے ہیں تو ہمیں صرف توریت، زبور، انجیل اور صحف ابراہیم وموسیٰ کے نام ملتے ہیں جو کہ اپنے اپنے پیغمبروں کے نام سے معروف ومشہور ہیں مگر ایسی کوئی صراحت یا اشارہ نہیں ملتا کہ صحف اولی اور زبر الاولین کن پیغمبروں کے ذریعے دنیا میں آئے اور یہ کن کن قوموں کے لئے تھے۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ صحیفہ اور زبر کے معنی کیا ہیں؟ چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

وہ چیز کہ جس میں کچھ لکھا جائے وہ صحیفہ کہلاتی ہے اس کی جمع صحف اور صحائف آتی ہے۔ نیز صحا مظہرۃ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ صحف ان پاک اوراق کو کہتے ہیں جن میں مستحکم ومحکم باتیں تحریر ہوں۔ ۳۵ اسی طرح لفظ زبر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ زبر پارہ پارہ کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جیسے فتقطعوا امرھم بینھم زبرا (پس ان لوگوں نے آپس میں اختلاف کر کے اپنے دین کو جدا جدا کرلیا) نیز ہر وہ کتاب جو موٹے اور گاڑھے حروف میں لکھی ہوئی ہو اسے زبور کہتے ہیں مگر عرف عام میں زبور کا لفظ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کے لئے مخصوص ہو چکا ہے جیسے واتینا داؤد زبورا۔۔ بعض کا قول یہ ہے کہ زبور کتب الہیہ میں سے ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس پر واقفیت دشوار ہو جیسا کہ قرآن میں ہے وانہ لفی زبر الاولین (بلاشبہ یہ سابقہ پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے) جبکہ بعض کا

قول یہ ہے کہ زبور اس کتاب کا نام ہے جو صرف عقلی حکمتوں پر مشتمل ہو اور اس میں احکام شرعیہ نہ ہوں۔ ۳۶

امام لغت راغب اصفہانی کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ صحف وہ پاک اوراق ہیں کہ جن میں محکم آیات تحریر ہوں اور زبر سے مراد سابقہ پیغمبروں کی وہ کتابیں ہیں جن میں موٹے اور خوشخط حروف میں عقلی حکمتیں تحریر ہوں مگر ان الہامی کتب سے واقفیت دشوار ہو۔ اب ذرا اس تصریح میں غور کیجئے کہ صحف اولی سے مراد ہے سب سے پہلے صحیفے یعنی وہ پاک اوراق کو جن پر محکم آیات لکھی ہوں اور زبر الاولین سے مراد پارہ پارہ یعنی جدا جدا اوراق کہ جس میں عقلی حکمتیں جلی حروف میں تحریر ہوں ان دونوں یعنی صحف اولی اور زبر الاولین کا لفظی معنی دیکھیے اور سنسکرت میں ان الفاظ کے معنی کے مترادف (وید کے حوالے سے) آدگرنتھ اور آدگیان دیکھیے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ ہمارے وید آدگرنتھ یعنی قدیم صحیفے ہیں اور آدگیان یعنی قدیم علم ہیں، وید منتر شروتی یعنی سنا ہوا محکمات کا علم ہیں، وید تنتر شروتی یعنی سنا ہوا متشابہات کا علم ہیں، ایک صدی قبل تک وید تک رسائی ہر کسی کے بس میں نہیں تھی یعنی جو کچھ صحیفے اور زبر کے بارے میں امام اصفہانی نے کہا ہے وہی کچھ ہندو اپنی وید کے بارے میں کہہ رہے ہیں تو اس مطابقت کو تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے۔

ہم قرآن کی زبان سے صحف اولی اور زبر الاولین پر ایمان رکھتے ہیں مگر کسی مفسر نے سوائے صحف ابراہیم وموسیٰ کے کسی اور صاحب صحف پیغمبر کی نشاندہی نہیں کی ہے طرہ یہ کہ ہزاروں سال سے موجود ایک قوم (اہل ہند) اپنے ویدوں کو قدیم ترین، کلام الٰہی اور قدیم علم کہہ رہی ہے اور وہ بھی محکمات و متشابہات کا علم، پھر بھی ان ویدوں کو پڑھے اور تحقیق کیے بغیر یہ دعویٰ کر دیا گیا ہے کہ صحف اولی اور زبر الاولین کا وجود اب دنیا میں ناپید ہو چکا ہے حالانکہ قرآن مجید میں اولین صحائف کے باقی ہونے کا اشارہ اس آیت میں واضح طور پر موجود ہے وقالوا لولا یاتینا بایۃ من ربہ اولم تاتھم بینۃ ما فی الصحف الاولی۔ ترجمہ اور لوگ کہتے ہیں یہ ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتے اپنے رب کے پاس سے کوئی نشانی، کیا ان کے پاس آنہیں چکی نشانی، جو کچھ کہ صحف اولی میں ہے۔ ۳۷

ہمارے مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا ہے وہ انکے دل کی آواز ہے قرآن سے اور حضور اکرم کی ذات سے ان کی عقیدت ومحبت کا واضح ثبوت ہے، یہ تمام تفسیریں سر آنکھوں پر، مگر بقول مولانا شمس نوید عثمانی کیا طلب دلیل ونشانی کا دور حیات نبوی تک محدود کر دیا گیا ہے؟ یا اس مطالبہ کو کفار ومشرکین مکہ یا یہودیوں اور عیسائیوں میں محدود کر دیا گیا ہے؟ اگر آج یہ مطالبہ مانی مت، ہندو

مت، بدھ مت، اور جین مت کریں کہ جن کا دورانیہ ہزاروں سالوں پر محیط ہے تو کیا ان کو جواب میں یہ کہہ کر مطمئن کیا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی واضح نشانیاں توریت، زبور، انجیل اور صحف ابراہیم و موسیٰ میں بتادی گئی تھیں؟ اگر یہی کہنا انکے اطمینان کے لئے کافی ہوتا تو شری گنگا پرشاد اپادھیائے اپنی کتاب مصالح الاسلام میں یہ نہ لکھتا کہ مسلمان دلکل قوم عاد کے حوالے سے بتائیں کہ ہندوستان میں کونسا پیغمبر آیا ہے۔

بہر حال سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ آیت کے جملہ مافی الصحف اولی میں یہ اشارہ موجود ہے کہ صحف اولی اور زبر الاولین ناپید نہیں ہوئے بلکہ دنیا میں موجود ہیں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے ان کی حالت بھی موجودہ توریت وانجیل جیسی محرف شدہ ہوگی۔ قرآن مجید، صحف اولی کو بطور دلیل اور معجزہ کے بیان کررہا ہے کہ جو کچھ ان قدیم صحف میں ہے وہ سب قرآن میں جمع ہے تو پھر وید میں جن محکمات و متشابہات علوم کی یا دیگر چیزوں کی قرآن سے تصدیق ہوتی ہو تو وید کے ان حصوں کو صحف اولی کی حیثیت سے تسلیم کیا جاسکتا ہے اور باقی ویدوں کو وہی درجہ دیا جائے جو آج توریت وانجیل کا ہے۔

صحف اولی اور حضرت نوح علیہ السلام

صحف اولی اور زبر الاولین کے لفظی معنی ہوئے قدیم الہامی کتابیں یا قدیم جدا جدا مقدس اوراق، قرآن مجید نے توریت، زبور اور انجیل کو انکے پیغمبروں سے منسوب کردیا ہے اور حضرت ابراہیم و موسیٰ کے ساتھ ان کے صحیفوں کا بھی ذکر کردیا ہے جبکہ صحف اولی اور زبر الاولین کا مطلقاً ذکر کیا ہے۔ اب افلا یتفکرون اور افلا یتدبرون کی الٰہی دعوت کے ضمن میں علمائے مفسرین اور محققین مذاہب کا فرض تھا کہ وہ اپنی تحقیق انیق سے واضح فرماتے کہ صحف اولی اور زبر الاولین کن پیغمبروں سے معنون ہیں یا وہ پہلے صاحب صحف کون کون سے پیغمبر تھے جو محکم و مستحکم آیات یا محکمات و متشابہات کا علم سناتے تھے؟ ہمارے مفسرین و محققین عظام، عرب اور اسکے مغرب، شمال و جنوب میں تدبر فرماتے رہے لیکن مشرق یعنی ہندو سندھ میں توجہ نہیں فرمائی ورنہ ممکن تھا کہ وہ صحف اولی اور زبر الاولین کی حقیقت سے ضرور آگاہ ہوجاتے، بہر حال تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ پہلے صاحب شریعت رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ جب اولین صاحب شریعت رسول مل گئے تو لامحالہ صحف اولی کی نسبت بھی انہی کی طرف ہوگی۔ اس پر ایک مضبوط دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے اس وقت کے مخاطب جن پیغمبروں کی کتابوں سے واقف تھے، قرآن نے ان کا نام لے کر ذکر کیا ہے۔ اسی طرح جن صحیفوں سے وہ واقف تھے قرآن نے حضرت

ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں کا ذکر کیا مگر مخاطبین اہل عرب حضرت نوح اور طوفان نوح سے واقف نہیں تھے اس لئے قرآن نے صحف نوح کا ذکر صحف اولی سے فرمایا، اہل عرب کی حضرت نوح اور طوفان سے عدم واقفیت کا ثبوت سورۂ ھود کی اس آیت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے نوح اور طوفان نوح کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ج ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا فاصبر ط ان العاقبۃ للمتقین۔ یعنی یہ (طوفان نوح کی باتیں) غیب کی خبریں ہیں جو آپ کی طرف وحی کررہے ہیں اس سے پہلے (واقعہ طوفان نوح کو) نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجئے بیشک متقین کا انجام ہی اچھا ہے۔ ۳۸

مطلب یہ کہ قرآن خود بتلا رہا ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب یعنی اہل عرب حضرت نوح اور طوفان سے لاعلم تھے اس لئے قرآن نے صحف اولی کو حضرت نوح سے منسوب کرنے کے بجائے ان کا مطلق ذکر دیا۔ مگر اہل ہند کے وید جو کہ ہزاروں سال پہلے کے ہیں ان میں طوفان نوح کی تفصیلات توریت وانجیل کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں مزید حیران کن بات یہ ہے کہ ویدوں میں صرف حضرت آدم و حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرے موجود ہیں۔ حضرت نوح کے بعد کے کسی پیغمبر کا وید میں تذکرہ نہ ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ وید نہ تو حضرت نوح سے پہلے کے ہیں اور نہ بعد کے کسی عہد کے ہیں۔ پہلے اس لئے نہیں کہ حضرت نوح سے پہلے کوئی صاحب صحف رسول نہیں آئے اور بعد کے اس لئے نہیں کہ اس میں حضرت نوح کے بعد کے کسی پیغمبر کا ذکر نہیں ہے سو اہل ہند کا یہ دعویٰ کہ وید آدگرنتھ یعنی صحف اولی ہیں یا وید آدگیان یعنی زبر الاولین ہیں تو ان کے اس دعویٰ میں واقعی طاقت ہے بہر حال اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وید کے جتنے حصوں کی قرآن سے تصدیق ہوتی ہے وہ اصل میں وید ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اہل ہند، اہل کتاب یا مشابہ اہل کتاب

اسلام نے اپنی اسلامی مملداری میں اہل کتاب اور مشابہ اہل کتاب کے لئے جو معاشرتی اور سماجی حقوق متعین کیے ہیں وہ یہ کہ جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ تمام حقوق میں مسلمانوں کے برابر ہیں۔ مسلمان اہل کتاب کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں اور ان کی لڑکیوں سے شادی کرسکتے ہیں۔ اسی طرح مشابہ اہل کتاب بھی جزیہ ادا کرنے کے بعد تمام شرعی حقوق میں اہل کتاب بلکہ خود مسلمانوں کے برابر ہیں مگر مسلمان نہ ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں اور نہ ان کی لڑکیوں سے شادی کرسکتے ہیں جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک مشابہ اہل

کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کی خواتین سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ شروع مضمون میں امام ابوحنیفہ اور قہستانی کے قول نقل کئے جا چکے ہیں۔ مگر قابل غور امر یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر گفتگو کے بعد اہل ہند کو کس زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے اگر ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے غوری، سلجوقی، خلجی، ترک، افغان، تیموری اور مغل وغیرہ مسلم فاتحین (سوائے محمود غزنوی کے کہ انہوں نے یہاں حکمرانی نہیں کی) اپنے اپنے عہد اقتدار میں اہل ہند سے جزیہ وصول کرتے تھے جو کہ صرف اہل کتاب اور مشابہ اہل کتاب سے وصول کیا جا سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے یہ مسلم فاتحین اہل ہند کو مشابہ اہل کتاب سمجھتے تھے گو کہ یہ حکمران محض فاتحین تھے مگر مسلمان تھے اور انجائی صائب الرائے اہل علم و معرفت انکے جلو میں ہوتے تھے جو شرعی معاملات میں ان کی رہنمائی فرماتے تھے چنانچہ ان فاتح مسلم حکمرانوں نے اہل ہند کو ہمیشہ مشابہ اور بعض اوقات اہل کتاب کی صف میں رکھا ان کے لئے کبھی ذمی کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی۔

اسی طرح عرب فاتحین نے بھی اہل سندھ و ہند کو مشابہ اہل کتاب کا درجہ دیا ہے عرب فاتحین اگرچہ وسط ایشیائیوں کی طرح صرف بغرض ملک گیری فاتح نہ تھے بلکہ ان کا مقصود اسلامی سرحدوں میں اضافہ اور اسلام کی اشاعت میں اضافہ تھا۔ محمد بن قاسم جب سندھ میں فتوحات حاصل کرتے ہوئے ارور پہنچا اور کئی ماہ تک اس کا محاصرہ کیے رکھا تو اہل شہر نے صلح کے لئے جو دو شرائط رکھی تھیں کہ ا۔ اہل شہر میں سے ایک فرد کو بھی قتل نہ کیا جائے ۲۔ ہمارے معابد کو جوں کا توں رہنے دیا جائے، تو محمد بن قاسم نے یہ شرطیں قبول کرتے ہوئے جو تاریخی الفاظ کہے تھے وہ یہ ہیں ما البد الا ککنائس النصاریٰ والیھود وبیوت نیران المجوس یعنی یہاں کے بت خانے بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے معابد اور مجوسیوں کے آتش کدوں کی مانند ہیں۔ ۳۹ محمد بن قاسم سے منسوب یہ واقعہ سندھ کی قدیم ترین تاریخ منہاج المسالک یا تاریخ الہند والسند کا فارسی ترجمہ چچ نامہ میں بھی اسی طرح تحریر ہے کہ سندھ کی اس اسلامی سلطنت میں ہندو اسی طرح رہیں جس حیثیت سے شام و عراق کے یہود و نصاریٰ اور مجوسی رہتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں جبکہ مجوسی مشابہ اہل کتاب ہیں تو اہل سندھ بھی مشابہ اہل کتاب ٹھہرے اور ان کے معابد کو بھی وہی درجہ دیا جو شام و عراق کے اہل کتاب و مشابہ اہل کتاب کے معابد کا درجہ ہے۔

اسی طرح محمد بن قاسم نے ملتان کی فتح کے وقت ملتان کے عظیم الشان اور دنیا کے تیسرے بڑے معبد (سورج مندر) سے کوئی تعرض نہ کیا اور دیگر معابد کو بھی ویسے ہی رہنے دیا مشہور سیاح بشاری مقدسی نے اپنے سفرنامہ احسن التقویم میں اور البیرونی نے کتاب الہند میں اس کی مکمل تفصیل درج کی ہے

کہ اہل ملتان کو جزیہ ادا کرنے کے بعد اہل کتاب و مشابہ اہل کتاب جیسے حقوق کا حقدار قرار دیا گیا تھا (یہاں بر سبیل تذکرہ عجیب بات یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری کے مورخ بلاذری نے فتوح البلدان ص ۳۴۲ میں لکھا ہے کہ ملتان کے مندر میں جو بت تھا لوگ اس کو حضرت ایوب علیہ السلام کا مجسمہ گمان کرتے تھے)۔ ۴۰

اس سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وسط ایشیائی اور عرب فاتحین اہل سندھ و اہل ہند کو مشرکین کا درجہ نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں صابئین قرار دے کر مشابہ اہل کتاب کے زمرے میں رکھتے تھے، شاید اسی بات کے پیش نظر خواجہ غلام فرید نے ہندوؤں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اہل ہنود اور اہل شاستر سب موحد ہیں۔۔۔ پھر فرمایا اگرچہ بت پرستی کرتے ہیں لیکن بت کو خدا یعنی معبود نہیں مانتے اور وحدت الوجود کے قائل ہیں۔۔۔ پھر فرمایا شروع میں خدا اور خلق کے درمیان رابطہ ملائکہ کے ذریعے تھا یعنی ملائکہ کے ذریعے فیضان حق حاصل کیا جاتا تھا۔۔۔ اسکے بعد انسانوں کے ذریعے یعنی مسلمانوں میں انبیاء و اولیاء کے ذریعے اور ہندوؤں میں اوتاروں کے ذریعے فیضان حاصل کیا جانے لگا۔ ظاہر ہے درمیانی وسیلہ یا واسطہ کا تصور حصول فیضان حق کے لئے ضروری ہے لیکن ہماری شریعت میں بغیر صورت کا حکم ہے قدیم زمانے میں تصاویر اور اصنام بھی جائز تھے۔ ۴۱

مرزا مظہر جان جاناں جو کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہمعصر ہیں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جن کے نام پر اپنی تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا ہے وہ تو ہندوؤں کو اہل کتاب مانتے ہیں انہوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو جو خط لکھا تھا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں کہ انہوں نے یعنی مرزا مظہر جان جاناں نے ہندوؤں کو مشرکان عرب کے مشابہ تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے بلکہ وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے ہندوؤں کو اہل کتاب کا درجہ دیا ہے۔ ۴۲

اسی حوالے سے مولانا شمس نوید عثمانی نے رسالہ روبی دہلی فروری ۱۹۸۸ء میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کے مضمون سے اپنی کتاب میں درج ذیل اقتباس نقل کیا ہے جو کہ لائق توجہ اور مذکورہ مدعا پر مزید شاہد ہے۔۔۔ مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات میں وید کے متعلق تحریر موجود ہے کہ انہوں نے اس کو آسمانی اور الہامی کتاب قرار دیا ہے۔۔۔ نیز مولانا شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ میں ان کے مقتداؤں کا ذکر ہے جن کو یہ اوتار کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مثلاً آریہ اپنے مذہب کو آسمانی دھرم اور اپنی کتاب کو الہامی کتاب کہتے ہیں ان سے ان کے دعویٰ کی برہان

طلب کی جا سکتی ہے لیکن بلاوجہ حتمی طور پر ان کا انکار نہ کیا جائے چنانچہ ہمارے استاذ مولانا اسعد اللہ صاحب نامناسب الفاظ ان کے لئے استعمال نہیں فرماتے تھے۔[۲۳]

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد مولانا شمس نوید عثمانی صاحب مزید لکھتے ہیں۔۔۔اور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کا مسلک تو اس سلسلے میں اتنا محتاط تھا کہ رام چندر جی اور کرشن جی کی شان میں گستاخی کو منع فرماتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان کے رسول ہونے کا امکان ہے۔[۲۴] مذکورۃ الصدر تمام تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر وید میں توحید، آخرت، جزا و سزا، تقدیر، خدا کی ازلیت وابدیت جیسے عقائد کی موجودگی کو بسبب بگڑے ہوئے کے ہم اس کے یعنی وید کے الہامی کتاب ہونے کی دلیل نہ سمجھیں تو کم از کم ان حصوں کو تو الہامی تسلیم کر سکتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کی خبریں ہزاروں سال پہلے سے موجود ہیں یا کم از کم ہم ان ویدوں کو توریت، زبور، انجیل کی طرح تحریف شدہ کا درجہ تو دے سکتے ہیں۔

محققین کی آراء

آخر میں ہندو دھرم کے حوالے سے محققین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اپنے مضمون ''اسلام میں دوسرے مذاہب اور اہل مذاہب کی حیثیت'' میں ہندوؤں کو مشابہ اہل کتاب قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں۔۔۔اس سے انکار نہیں کہ ہندو مذہب میں توحید بھی ہے لیکن یہ مذہب اتنا پرانا ہو چکا ہے کہ زمانے کے تغیرات سے اس میں توحید خالص باقی نہیں رہی۔[۲۵] یہی مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اسی مضمون میں مزید لکھتے ہیں۔۔۔اسی طرح البیرونی نے بھی کتاب الہند کے گیارہویں باب میں ہندو عوام کو مشرک اور خواص کو موحد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بت پرستی عوام کا مذہب ہے خواص کا دامن غیر اللہ کی عبادت سے پاک ہے۔۔۔نیز مسلمان اکابر میں مرزا مظہر جان جاناں ہندوؤں کی بت پرستی کی تاویل کو قبول کرتے تھے اور ان کو اصلاً موحد مانتے تھے۔[۲۶]

مولانا شمس نوید عثمانی لکھتے ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز (محدث دہلوی) فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۳۲ تا ۱۳۳ میں ہندوؤں کے حوالے سے یہ تحریر فرماتے ہیں کہ بالجملہ ہندوؤں کے اوتار مظاہر حق تھے لیکن ہندو عوام اپنے قصور فہم کی بناء پر ظاہر اور مظہر میں فرق نہ کر سکے اور سب کو معبود بنا کر گمراہی میں مبتلا ہو گئے یہی حال مسلمانوں کے بہت سے۔۔۔اور مداریوں کا ہے۔[۲۷]

یہی مولانا شمس نوید عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ویدک دھرم کا اصل نام ہندومت نہیں بلکہ

سناتن دھرم ہے یعنی سیدھا چلا آیا ہوا قدیم مذہب اور دوسرا نام شاشوت دھرم ہے یعنی آسمان سے زمین تک سیدھا چلا آیا ہوا مذہب۔۔۔گیتا میں اس کے لئے سودھرا اور سوبھاونیت کرم کے الفاظ آئے ہیں جس کے معنی ہیں فطرت کا سکھایا ہوا نہ کہ ماں باپ کا سکھایا ہوا مذہب۔۔۔قرآن اسلام کو الدین عند اللہ۔۔۔دین قیم اور دین فطرت بتاتا ہے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو دین اسلام پیش کیا تھا حضرت آدم و نوح بھی دین اسلام ہی قائم کرنے آئے تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات مسخ ہو گئیں دنیا کے دوسرے مذاہب کو ماننے والی قوموں نے اپنے اپنے مذاہب کے مختلف نام رکھ لئے لیکن اس سب سے پرانی قوم نے دین اسلام کے صفاتی ناموں کی شکل میں اصل نام کو باقی رکھا۔[۲۸]

حوالہ جات

۱۔ جامع البیان ج ا ص ۲۵۳ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱۴۰۹ھ
۲۔ تفسیر سمرقندی ج ا ص ۱۲۵ بحوالہ تبیان القرآن زیر آیت مذکورہ ص ۹۲
۳۔ جامع البیان ج ا ص ۲۵۲ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱۴۰۹ھ
۴۔ الجامع الاحکام القرآن ج ا ص ۴۳۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ
۵۔ روح المعانی ج ا ص ۲۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث بیروت
۶۔ تبیان القرآن ج ا ص ۹۲ مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور طبع خاص دسمبر ۲۰۰۳
۷۔ انوار التنزیل دری ص ۹۷ مطبوعہ محمد سعید اللہ اینڈ سنز کراچی
۸۔ جامع البیان ج ا ص ۲۵۱ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱۴۰۹ھ
۹۔ رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۸ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱۳۰۷ھ
۱۰۔ جواہر القرآن ج ا ص ۳۸ مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راولپنڈی
۱۱۔ درس قرآن ج ا ص ۳۰۰ درس ۳۲ ادارہ اشاعت القرآن کراچی۔ مئی ۲۰۰۰ء
۱۲۔ صحف ابراہیم و موسیٰ (سورۃ آیت)
۱۳۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو ص ۳۱ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۴۔ عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۷۸
۱۵۔ قرآن مجید سورۃ مریم آیت ۵۸
۱۶۔ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا قاسم صاحب ص ۱۰۵۷
۱۷۔ ماخوذ از خطبہ صدارت سالانہ اجلاس جمعیت علماء ہند کمبئی فروری ۱۹۳۹ء
۱۸۔ رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۱۰

۱۹۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۲۰۲، ۲۰۳ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ، کراچی

۲۰۔ رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۰۲

۲۱۔ HINDU MANNERS CUSTOMS AND CEREMONIES, P - 100

۲۲۔ P- 48 ایضاً

۲۳۔ P-416 ایضاً

۲۴۔ P-417 ایضاً

۲۵۔ مقابیس المجالس ج ۲ ص ۳۵۔۳۴۔۸۳۳ ملخصا

۲۶۔ مقابیس المجالس ج ۵ ص ۱۰۱۲

۲۷۔ روزنامہ قومی جنگ راجپور ۱۳ مارچ ۱۹۸۸ء

۲۸۔ The Hindu Muslim Question. p -12

۲۹۔ کلیان پرم پران انک اکتوبر ۱۹۴۳ء ص ۳

۳۰۔ ڈبلیو جے ولکنس (Hindu Mythology. P-3-5)

۳۱۔ بحر بیکا منجر وید ص ۳۰۲ (اس طرح کے مزید حوالے شمس نوید عثمانی کی کتاب اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں)

۳۲۔ مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا مترجم یاسر جواد، معدیہ جواد، ص ۱۵۹

۳۳۔ ملخصا۔ کتاب البدء والتاریخ ج ۴ ص ۹ تا ۱۶ مطبوعہ استنبول

۳۴۔ یہ مشترکات و مطابقات شمس نوید عثمانی کی کتاب اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ کے ص ۵۰ تا ۷۲ میں ملاحظہ کیجئے۔

۳۵۔ مفردات امام راغب اصفہانی اردو ج ۱ ص ۱۰۰ مطبوعہ شیخ شمس الحق لاہور

۳۶۔ مفردات امام راغب اصفہانی اردو ج ۱ ص ۳۳۰ مطبوعہ شیخ شمس الحق لاہور

۳۷۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۳   ۳۸۔ سورۂ ہود آیت ۳۹

۳۹۔ عرب و ہند کے تعلقات ص ۹-۱۷   ۴۰۔ ایضاً۔ ص ۱۸۳

۴۱۔ ملخصا مقابیس المجالس ج ۲ ص ۳۵۔۳۴۔۸۳۳

۴۲۔ تاریخ مشائخ چشت ج ۵ ص ۵۸

۴۳۔ ملخصا اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۷۵ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی

۴۴۔ ایضاً۔ ص ۷۲

۴۵۔ رسالہ معارف اعظم گڑھ ص ۷۷،۸ شمارہ ۳ جلد ۹۵

۴۶۔ ملخصا رسالہ معارف اعظم گڑھ ص ۱۸۱، ۱۸۰ شمارہ ۳ جلد ۹۵

۴۷۔ ملخصا اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۱۱۲ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی

۴۸۔ ایضاً۔ ص ۱۱۵

حرمت ربا کی علت

شیخ محمود احمد

ایک لفظ میں علت حرمت قرآن کریم نے خود بیان فرمادی ہے اور وہ ہے ظلم، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے" (۲۷۹:۲) خطاب اس آیہ کریمہ میں سرمایہ دار سے ہے، دائن سے ہے اور جسے ظلم قرار دیا گیا ہے وہ راس المال سے زیادہ کوئی معین اضافہ لینا ہے لہٰذا سود کی ہر شرح ظلم ہے، زیادہ شرح زیادہ ظلم اور کم شرح کم ظلم ہے لیکن کم سے کم شرح بھی ظلم ضرور ہے۔ قرآن کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ مدیون نے زیادہ کھایا کمایا یا کم کمایا ہے۔ اس نے کتنا ہی زیادہ کمایا ہو۔ یہ کوئی وجہ سرمایہ دار کے حصے میں کسی معین اضافے کی نہیں بنتی کیونکہ سرمایہ دار کا حق خدمت ربو اوالی آیات کی روشنی میں اس کے سرمایہ کی واپسی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہاں اگر اس کا راس المال بھی اسے نہ لوٹایا جائے تو البتہ سرمایہ دار کے ساتھ ظلم ہوگا اور اسے بھی قرآن پاک نے ظلم کے ہی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ ظلم کیوں اس قدر مقہور ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس ظلم پر اصرار کرنے والے کے خلاف جنگ کا اعلان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں؟ کسی کا مال کھا جانا یا زمین دبا لینا بھی ظلم ہے۔ کسی سے ناانصافی کرنا بھی ظلم ہے، رشوت خوری ملاوٹ اور گراں فروشی بھی ظلم ہیں۔ کسی کو بغیر حق کے اذیت پہنچانا بھی ظلم ہے۔ یہ سب حقوق العباد کے نقیض ہونے کی وجہ سے ناقابل معافی ظلم ہیں، لیکن اعلان جنگ کا سبب نہیں بنتے، لیکن سود پر اصرار اللہ اور اس کے رسول دونوں کی طرف سے جنگ کا مستحق بن جاتا ہے۔ وہ کیا انوکھی فرق ہے جو سود کو باقی ظلم سے ممیز کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب کلام پاک میں نہیں ملتا۔ البتہ سوچنے، غور کرنے اور چیزوں کی ماہیت کو سمجھنے کی بار بار تحریک کی گئی ہے اور علم کی عظمت تو اس انداز سے بیان ہوئی ہے کہ ساری دنیا کا ادب مل کر نہ وہ حسن بیان مہیا کر سکتے ہیں اور نہ وہ قوت

اظہار پیش کر سکتے ہیں۔ تخلیق آدم کی کہانی میں محض علم کے پہلے قدم یعنی علم الاسما جاننے والا آدم تسبیح و تقدیس مسلسل کے عامل فرشتوں کا مسجود بن جاتا ہے اور جو علم کی اس عظمت کو قبول نہ کرے جو تقابلی مراتب کے اعتبار سے تسبیح و تقدیس مسلسل کو ساجد اور علم کے پہلے قدم کے شناسا کو مسجود نہ مانے وہ راندۂ درگاہ ٹھہرتا ہے اور شیطان بن جاتا ہے سو اگر قرآن نے ہمیں سود کے ظلم کی خصوصی نوعیت نہیں بتائی تو اسے جاننے کا راستہ تو بتا دیا ہے۔ اسی طرح رسول پاک ﷺ نے ایک روایت کے مطابق سود کو ماں کے ساتھ زنا سے ستر گناہ زیادہ گھناؤنا قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ کے الفاظ ہیں، الربا سبعون جزآ ایسرھا ان ینکح الرجل امہ یعنی سود کے ستر اجزاء ہیں اور سب سے ہلکا ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے یہ نہیں بتایا کہ ایسے گناہ کے مقابلے میں کہ جس کا نام لینے سے بھی گھن آتی ہے۔ یہ ستر گناہ برا کیوں ہے۔ ہاں البتہ علم کی فضیلت بار بار بیان فرمادی۔ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے کہہ دیا کہ عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو مجھے آپ میں سے سب سے کمتر پر ہے حضرت ابو درداء کی روایت کے مطابق فرمادیا کہ عالم عابد پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو چاند ستاروں پر اور عالم کی بخشش کے لئے ہر چیز یہاں تک کہ مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں اور علما انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ فرما کر بات ہی ختم کر دی کہ عالم کی دوات کی سیاہی شہید کے خون سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ سود کے ظلم کی امتیازی نوعیت ڈھونڈنے کے لئے ہمیں علم اور اہل علم کے پاس جانا پڑے گا اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ اہل علم مسلمان ہوں، اطلبو العلم ولو کان بالصین میں علم کی طلب میں غیر مسلموں تک کے پاس جانے کا اشارہ موجود ہے اور پھر حکمت تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق مومن کی گمشدہ میراث ہے لہٰذا وہ جہاں ملے اسے ڈھونڈ لانا چاہیے۔

علم کی سطح پر سود کی بے پناہ استحصالی قوت کا بھرپور اظہار کنیز نے کیا ہے جسے تمام اہل علم اس صدی کا سب سے بڑا معاشیات اور بالخصوص مالیاتی معاشیات کا ماہر تسلیم کرتے ہیں، اس نے پہلی بار اس نکتے کا بھرپور اظہار کیا ہے کہ جب تک سود خواری کو کسی غیر تکلیف دہ طریقے سے معدوم نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک دنیا سے بے روزگاری ختم نہیں کی جا سکتی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے متنبہ کیا کہ "دنیا اب مزید بے کاری لمبے عرصے تک برداشت نہیں کرے گی۔۔۔ جو آج کے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ لازماً وابستہ ہے۔ وہ رہنمائی دیتا ہے کہ "ہمارا اعلیٰ ترین مفاد اس میں ہے کہ ہم شرح سود کو اتنا گھٹا لیں۔۔۔ کہ جہاں سب کو روزگار میسر آ جائے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس نتیجہ کے حصول کی خاطر ہمیں شرح سود کو اس کی کم ترین سطح سے کہیں زیادہ نیچے لے جانا پڑے گا۔ اور ہم وہاں پہنچ جائیں گے جہاں سود خوار طبقہ کسی غیر

تکلیف دہ طریقے سے معدوم کر دیا جائے تا کہ سرمایہ دار کی وہ استحصالی قوت ختم ہو جائے جس سے وہ سرمایہ کی کمیابی کی قیمت وصول کرنے کا اختیار حاصل کرتا ہے سود اور بے روزگاری کے تعلق کو واضح کرنے کے لئے کنیز بتاتا ہے کہ سود کا بوجھ سرمایہ کی صلاحیت کار کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ صلاحیت کار کی کمزوری تعمیری عمل پر منفی اثر ڈالتی ہے اور اس کی وجہ سے بیروزگاری جنم لیتی ہے۔ کنیز اس خیال کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ پر سود کا ایک عجیب نتیجہ یہ ہے کہ وہ روزگار کے حصول کی ایک حد معین کر دیتا ہے کیونکہ وہ سرمایہ کی کارکردگی کی ایک سطح کا تقاضا کرتا ہے پیشتر اس کے کہ نیا سرمایہ تخلیق کیا جائے۔"

کنیز مانتا ہے کہ دراصل پادری جب سود کے خلاف بات کرتے تھے اور اہل علم اسے ان کی نا فہمی پر محمول کرتے تھے وہ سب غلط تھا۔ پادریوں کی نظر سرمایہ کی کارکردگی پر تھی جس پر اہل علم کی نظر نہیں گئی۔ اس کے نزدیک سود اصل حاکم ہے۔ سود کی عجیب صلاحیت ہے کہ وہ ڈنگ بھی خود مارتا ہے۔ اور ان سماجی ناہمواریوں کی حفاظت بھی خود ہی کرتا ہے جو اس کے وجود کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

سود کی استحصالی قوت اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے ہمیں صرف اپنے گرد و پیش دیکھنے کی ضرورت ہے ہر طرف قدرت کے خزانے بکھرے ہوئے ہیں زمین لہلہاتی فصلیں اگانے کو تیار ہے اگر اس پر محنت کی جائے اور اضافی سرمایہ میسر آ جائے تو ہر خوشہ گندم کی جگہ تین گندم کے خوشے اگائے جا سکتے ہیں۔ دریاؤں سے نہریں نکالنے، پن بجلی کے منصوبے مکمل کرنے اور اللہ کی زمین کو بقعۂ نور بنانے کی گنجائش ہے بشرطیکہ سرمایہ ہو۔ پہاڑوں کا سینہ چیر کر اللہ کے ودیعت کیے ہوئے خزینے ڈھونڈے جا سکتے ہیں، ایک ہزار کروڑ روپیہ سالانہ کا پٹرول درآمد کرنے کے بجائے خود اپنی سرزمین میں پٹرول کی تلاش کی جا سکتی ہے۔ جس طرف بھی سر اٹھا کر دیکھیں۔ قدرت کے گراں مایہ وسائل استفادہ کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں اور پھر وہ لوگ بھی موجود ہیں جو پہاڑوں کا سینہ چیرنے اور زمین کی کوکھ کو پھاڑنے کا دم رکھتے ہیں۔ وہ تنظیم بھی موجود ہے یا حاصل کی جا سکتی ہے جس سے مناسب افراد صحیح اسلوب سے منتخب کام کر سکیں۔ جہاں آ کر بات اٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ میسر نہیں کہ سب کام ہاتھ میں لے سکیں یا کم از کم اتنے کام ہاتھ میں لے سکیں جن سے سب لوگوں کو روزگار میسر آ سکے۔

گویا جو بھی رکاوٹ روزگار کے راستے میں ہے وہ سرمایہ کی طرف سے ہے، بچتوں کا مسئلہ نہیں ہے کم از کم ان معنوں میں نہیں جن میں سرمایہ دارانہ معاشیات اسے بیان کرتی ہے یا جن معنوں میں رپورٹ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ اس کے الٹ معنوں میں یہ مسئلہ بھی ہے اور یہ اور دیگر تمام لاینحل

معاشی مسائل سود کے استحصالی مظاہر کا پرتو ہیں۔ اگر ہم ربا کی علت حرمت جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے استحصالی مظاہر کا تجزیہ بھی کرنا پڑے گا۔

سود کے استحصالی مظاہر

جب سود کو سرمایہ کاری کی اساس کے طور پر قبول کیا جائے تو وہ اتنی سمتوں سے انسان کی فلاح اور اس کی خوشحالی پر حملہ آور ہوتا ہے کہ ان کا انتہائی مختصر ذکر بھی فاذنو بحرب من اللہ ورسولہ کا مفہوم سمجھانے کے لئے کافی ہے۔

پہلا نتیجہ سود کا یہ ہے کہ اس کے بوجھ کی وجہ سے سرمایہ کی کارکردگی محدود ہو جاتی ہے تعمیری عمل اتنا نہیں پھیل سکتا جتنا کہ قدرتی وسعت کے اعتبار سے اسے پھیلنا چاہیے۔ یہ نقطہ جس قدر اہم ہے اسی قدر متنفق علیہ بھی ہے۔ اہمیت اس کی یہ ہے کہ سود کے تمام استحصالی مظاہر اس نکتے سے اس طرح نمودار ہوتے ہیں جیسے شاخوں سے پتے نکلتے ہیں۔ جہاں تک متنفق علیہ ہونے کا تعلق ہے راقم الحروف کے علم کی حد تک کوئی ماہر معاشیات ایسا نہیں جس نے شرح سود اور سرمایہ کی صلاحیت کار کے درمیان منفی تعلق کو تسلیم نہ کیا ہو۔ یہ بحث تو ملتی ہے کہ سرمایہ کی کارکردگی پر اثر اندازی کی لچک اکائی کے برابر ہے یا کم لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ شرح سود سرمایہ کی کارکردگی پر منفی اثر نہیں ڈالتی۔ اس منفی اثر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سے قدرتی وسائل کی تسخیر رک جاتی ہے بالخصوص چھوٹے کام جن میں سود کا بوجھ اٹھانے کی سکت کم ہوتی ہے۔ وہ یا شروع نہیں کیے جا سکتے یا شروع کرنے کے بعد نقصان اٹھا کر چھوڑنے پڑتے ہیں۔

دوسرا نتیجہ سود کا سرمایہ کی محدود کارکردگی کے توسط سے یہ ہے کہ بہت سے لوگ جو روزی میں لگائے جانے کے آرزومند ہوتے ہیں انہیں روزی نہیں مل سکتی اور چونکہ ان میں سے ہر ایک میں سرمایہ حاصل کر کے چھوٹے موٹے کاروبار کرنے کی سکت نہیں ہوتی اور نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سود کے استحصالی بوجھ کو اٹھانے کی کوئی بڑی قوت ہوتی ہے اور نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سرمایہ دار کو قرض دینے میں کوئی مسرت ہوتی ہے اس لیے بیروزگار انسان روزگار کے حصول پر کوئی قدرت نہیں رکھ سکتے۔

تیسرا نتیجہ سود کا یہ ہوتا ہے کہ جن کاموں کو سود کے استحصالی بوجھ کے باوصف شروع کیا جاتا ہے ان میں منافع کی شرح کو اونچا رکھنا اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ ناظم کار کو نہ صرف سود بلکہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مختلف خطرات کے خلاف ادائیگی مہیا کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ لہٰذا منافع خوری میں حد سے آگے چلے جانے کا اسلوب جو تجارت اور صنعت میں نظر آتا ہے وہ سود کی وجہ سے ہے۔

چوتھا نتیجہ سود کا یہ ہے کہ ہر چیز کا کرایہ وہ خواہ زمین کا ہو یا مکان کا یا دکان کا انتہائی طور پر اونچا چڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں زمین، مکان یا دکان کی مالیت پر سود شامل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ علاوہ اس شکست وریخت کی ادائیگی کے لہٰذا کرائے کے توسط سے بھی منافع کی سطح کو مزید اونچا کرنے کی بنیاد مہیا ہو جاتی ہے۔

پانچویں قدم کے طور پر منافع کو اونچا رکھنا صرف دو اقدامات کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ مزدوروں کو ان کے کام کا پورا معاوضہ دیا جائے اور یہ محرومی طبقاتی کشمکش کی بنیاد بن جاتی ہے۔

چھٹا نتیجہ جو منافع کو اونچا رکھنے کی دوسری چال کے طور پر انسان پر مسلط ہوتا ہے یہ ہے کہ تمام چیزیں مسلسل گرانی کا شکار ہوتی چلی جاتی ہیں اور استحصال کے مارے ہوئے نچلی سطح کے لوگوں کو اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں اذیت ناک محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ساتواں نتیجہ جو چیزوں کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے مرتب ہونا ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ چیزوں کی مانگ اتنی نہیں ہوتی جتنی اگر قیمتوں کو صحیح سطح پر رکھا جا سکتا تو ممکن ہوتی، لہٰذا کساد بازاری کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔

آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ منافع کی سطح کو سود کے تقاضوں کے مطابق اونچا رکھنے کے باوجود کساد بازاری کے خطرے کو ٹالنے کا ایک کثیر العمل طریقہ یہ ہے کہ چیزوں کی پیداوار کو محدود کیا جائے چنانچہ ہر قسم کی پیداوار کو اس سطح سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا جس سے منافع کی بلند ترین سطح ممکن ہو سکے۔ یہ سودی نظام کا ایک بنیادی طریق کار ہے اس کا اظہار ہر ملک میں اور ہر قسم کی پیداوار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن غالباً سب سے خوب صورت مظہر امریکہ کی زرعی پالیسی ہے جسکے تحت امریکہ کی حکومت کم وبیش بارہ ارب ڈالر ہر سال محض زرعی پیداوار کو کم کرنے پر صرف کرتی ہے۔ اور چونکہ اتنی بڑی رقم امریکہ کے پاس بھی فاضل نہیں ہوتی لہٰذا ہر سال یہ رقم سودی قرض پر حاصل کی جاتی ہے انسان کی محرومی اور سرمایہ کی توانائی کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال شاید دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہ مل سکے۔

نواں نتیجہ جسے سودی نظام چابک دستی مہیا کرتی ہے یہ ہے کہ بجائے پہلے آٹھ نتائج پر نادم ہونے کے وہ ایسا موقف اختیار کرتا ہے جس کی بدولت پہلے آٹھ نتائج میں مزید گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سرمایہ دار طبقہ حکومتوں کو یقین دلاتا ہے کہ کساد بازاری سے اتنے خطرات پیدا ہوں گے کہ حکومتوں کا نام ونشان مٹ جائے گا لہٰذا لوگوں کو روزگار اور قوت خرید مہیا کرنے کے لئے حکومتوں کو اپنے

اخراجات اپنی آمدنی سے بہت زیادہ دور رکھنے چاہیں۔ چنانچہ دنیا کی بیشتر حکومتیں سرمایہ دار طبقہ کی اس چال میں گرفتار ہیں جس میں پاکستان کی حکومت شامل ہے۔

دسواں نتیجہ یہ ہے کہ اس ترکیب سے حکومتوں کا اپنے جال میں پھانسنے کے بعد سرمایہ دار طبقہ انہی حکومتوں کو اپنے استحکام کا ذریعہ بنالیتا ہے۔ وہ نہ صرف افراد اور تعمیری اداروں کی آمدنی کے ایک معتد بہ حصہ کا مالک بن جاتا ہے بلکہ ملکی آمدنی کے اس کثیر حصہ پر قابض ہو جاتا ہے جو قرضوں پر سود کی شکل میں حکومتوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تابع تمام حکومتوں کا وہی حال ہے جو پاکستان کا ہے ہر سال کھربوں روپیہ قرض لیا جاتا ہے اور اربوں روپیہ سالانہ سود ادا کیا جاتا ہے۔

گیارھواں نتیجہ یہ ہے کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں، نچلا اور متوسط طبقہ بے روزگاری اور گرانی کے پاٹوں کے درمیان پستا چلا جاتا ہے، اور سرمایہ دار طبقہ اپنی سود کی غیر محنتی آمدنی پر گل چھرے اڑاتا نظر آتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے خوب صورت الفاظ میں ایک طرف ''دولت کا ورم'' اور دوسری طرف معاشی لاغری پیدا ہو جاتی ہے جس سے ایک طرف دولت کے مرتکز ہونے میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف نفرت کا لاوا کروڑوں انسانوں کے سینے میں جمع ہونا شروع ہوتا ہے۔

بارھواں نتیجہ بین الاقوامی کھچاؤ میں اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ملک کوشش کرتا ہے کہ اس کی برآمدات بڑھیں اور درآمدات کم ہوں تاکہ ملک کے اندر کی بیروزگاری جسے سود نے پیدا کیا ہے۔ برآمدات میں پھیلاؤ کی مدد سے دوسرے ملکوں میں منتقل ہو سکے۔ لیکن چونکہ باقی ملک بھی اسی بیماری کے مریض ہوتے ہیں اسلیے کوئی ملک اس سمت میں کوئی واضح کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ بین الاقوامی کھچاؤ بڑھتا چلا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کی شدت جنگ کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

تیرھواں نتیجہ تمدن اور تہذیب کے سب سے قیمتی عنصر یعنی انسان کی تمدنی سطح پر زبوں حالی ہے۔ سود نام ہی روپے کو انسان پر تفوق دینے کا ہے کیونکہ یہ انسان کی محنت کے نتیجے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر انسانی محنت ضائع بھی ہو جائے تب بھی سرمایہ اپنا سود چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ چونکہ سودی نظام کا عملی اطلاق ہی سرمایہ کے تفوق اور انسان کی ثانویت کا اعتراف ہے لہٰذا کچھ تعجب نہیں کہ نئی تہذیبی روایت میں شرافت، رزق حلال، اور انسان کی قیمت مسلسل گرتی چلی جاتی ہے اور لالچ، حرص اور لوٹ کھسوٹ سب سے مؤثر اور توانا جذبے بن جاتے ہیں۔

چودھواں نتیجہ سود کا وہ ہے جسے قرآن کی زبان میں یتخبطہ الشیطان من المس کہا گیا

ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سے تعلق رکھنے والے تمام ماہرین معاشیات آج حیران ہیں کہ ان بیماریوں کا کیا علاج کریں لیکن باوجود علم کی دسترس کے سود کے نتائج کو دور کرنا سود کو دور کیے بغیر ممکن نظر نہیں آتا اور چونکہ سود کو دور کرنا انہیں قابل قبول نہیں اس لیے ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن مثال کے طور پر بے روزگاری اور گرانی کا علاج کرنے بلکہ سوچ سکنے سے بھی قاصر ہیں ان کے پاس بے روزگاری کے جتنے علاج ہیں وہ گرانی بڑھانے والے ہیں اور گرانی دور کرنے کے جتنے علاج ہیں وہ بے روزگاری بڑھانے والے ہیں۔ لہٰذا عصر حاضر کی معاشیات کے سب بڑے مسائل کے مقابلے میں ماہرین معاشیات کی بے بسی قابل رحم بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔

پندرھواں پہلو بات کا یہ ہے کہ یہ دیوانے بکار خویش بے انتہا ہوشیار بھی ہیں، سرمایہ دارانہ سودی نظام کو سب سے بڑا خطرہ اس چیز میں ہے کہ کہیں سرمایہ اس قدر وافر نہ ہو جائے کہ سود کو بہت کم کرنا پڑ جائے یا بالکل ہی معدوم کرنا پڑے، لہٰذا سود کو مستقل حیثیت دینے کے لئے ضروری ہے کہ ایسا انتظام کیا جائے کہ سرمایہ کبھی وافر مقدار میں مہیا نہ ہو سکے اس کے لیے سب سے اہم اقدام وہ ہے جسے بنکوں کو ریزرو کہتے ہیں چونکہ سودی نظام کی وجہ سے معاشی ناہمواری، اندرونی کھچاؤ، بیرونی دباؤ اور کساد بازاری کے خطرے ہر وقت سر پر منڈلاتے رہتے ہیں لہٰذا بنک اپنے پاس آنے والا سب روپیہ قرض پر نہیں دیتے بلکہ اس کا کچھ حصہ ریزرو میں رکھتے ہیں تاکہ اگر ایک دم مانگ آئے تو اسے چکایا جا سکے۔ جتنا ریزرو اونچا ہوگا۔ اتنا ہی سرمایہ کی فراہمی محدود ہوگی۔ اگر ریزرو ۳۳ فیصدی ہو تو بچتوں کا تین گنا قرض دیا جا سکتا ہے۔ اگر پچیس فیصدی ہو تو چار گنا اگر بیس فیصدی ہو تو پانچ گنا اگر دس فیصدی ہو تو ۱۰ گنا قرض دیا جا سکتا ہے۔ اب مثلاً ہمارے ملک میں ۳۵ فیصدی ریزرو رکھا جاتا ہے تاکہ تین گنا سے کچھ کم قرض دیا جا سکے۔ سرمایہ کی رسد میں اس مصنوعی کمی کے ساتھ ساتھ اس کی مانگ میں حکومت کے خسارے کے بجٹ کے توسط سے اضافہ کروالیا جاتا ہے۔ تاکہ سود کی سطح مستحکم رہے۔

سرمایہ کی مصنوعی قلت پیدا کرنے کا سب سے اہم طریقہ یہ ہے کہ بڑے پیمانے کی بچتیں سودی نظام میں جمع نہ ہو سکیں بچت آمدنی سے خرچ کم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر بے روزگاری عام رکھی جائے اور جنہیں روزگار فراہم کیا جائے انہیں ان کی استعداد سے کم تر مقام پر رکھا جائے اور ضروریات زندگی کی قیمتوں کو مسلسل بڑھایا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ سہ گونہ عمل بچتوں کو بڑھنے نہیں دے گا اور سرمایہ کو اپنی مصنوعی کمیابی کی قیمت ملنے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔

گویا سود ایک خود کار نظام ہے جس میں سرمایہ ہمیشہ ضرورت سے کم رہے گا تاکہ اس کی کمیابی

کی قیمت اسے ملتی رہے اس استحصال کے تسلسل میں کبھی کمی نہیں آسکتی، کیونکہ اس کے مستقبل کی حفاظت خود اس کا طریق کار کرتا ہے۔

سولہواں پہلو یہ ہے کہ سود خوار طبقہ اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے ہر چیز کو داؤ پر لگانے کے لئے تیار رہتا ہے چنانچہ جب انسان اپنی محرومیوں کے خلاف آواز اٹھانا شروع کرتے ہیں تو سود خور انتہائی مسکین شکل بنالیتا ہے اور منافع کو جو سود کے استحصال کا ظاہری مظہر ہے تمام معاشی برائیوں کی جڑ کے طور پر آگے پیش کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف ردعمل کے بجائے سود کے خلاف مؤثر اقدام کرنے کے سوشلزم کی راہ اختیار کرتا ہے جس میں منافع کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کی ذاتی جائیداد ختم کر دی جاتی ہے اور تمام چیزیں بشمول زمین، مکان، دکان، کارخانہ وغیرہ میں قومیالی جاتی ہیں لیکن لطیفہ یہ ہے کہ اصل چور کو وہاں بھی کوئی نہیں پکڑتا۔ بنک میں رکھی ہوئی رقم نہ تو قومیائی جاتی ہے نہ اس پر سود کی ادائیگی بند ہوتی ہے۔ سوائے چین کے کہ وہاں ڈیپازٹ پر سود کی ادائیگی کی شرح گرا کر نصف فی صدی کے قریب رکھی گئی تھی۔ روس میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو لاکھوں روبل بنکوں میں جمع رکھتے ہیں اور ان پر سود حاصل کرتے ہیں۔ اور سود کی شرح بھی معقول ہے اور ابتدائی دور میں تو شرح سود مغرب کی سطح سے بھی خاصی زیادہ تھی، نتیجہ یہ ہے کہ ساری شرارت کی جڑ مواخذہ سے وہاں بھی بچ رہتی ہے اور دلیل وہاں بھی یہی ہے کہ یہ رقمیں ضبط کریں گے یا سود نہیں دیں گے تو بچتیں نہیں ہو سکیں گی۔ ایک فقرے میں صورت حال یہ ہے کہ قصور سرمایہ کرتا ہے اور سزا نفع کی تقدیم کے توسط سے سب انسانوں کو ملتی ہے کہ وہ ہر قسم کی فکری، سیاسی اور شخصی آزادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ گویا سود جو محرومیاں براہ راست پیدا کرتا ہے ان کے ردعمل کے طور پر وہ محرومیاں پیدا ہوتی ہیں جو سوشلزم مہیا کرتا ہے اور سرمایہ خود اس لئے محفوظ رہتا ہے اس کے پاس بچتوں والی دلیل کا وہ صدری نسخہ ہے جس کا توڑ سوائے اسلام کے کسی اور کے پاس نہیں۔

سود کے ان سولہ نتائج سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ صرف اتنی ہی برائیاں سود میں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ علم ابھی خام ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی انتہائی کوشش ہے کہ سود کی برائیوں کی پہچان بین نہ ہو سکے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ مثال کے طور پر اس ملک میں سود پر تحقیق کرنے کے لئے کوئی ادارہ قائم نہیں۔ سولہ نتائج کی نشان دہی ظاہر کرتی ہے کہ ہم نے ابھی چوتھائی رستہ بھی طے نہیں کیا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے دہال تہتر قسم کے ہیں اور سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے کہ جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔

استحصال کے یہ سولہ مظاہر وہ ہیں جنہیں کلام پاک اپنی زبان میں ظلم کہتا ہے اس ظلم اور باقی ظلموں میں گہرائی اور گیرائی دونوں پہلوؤں سے فرق ہے۔ یہ اللہ کی مخلوق کے منہ سے اس کا نوالہ چھینتا ہے اور پھر اس کی جگہ کسی متبادل نوالہ آنے کا رستہ نہیں چھوڑتا جب تک انسان اپنی آزادی کو ترک اور عزت نفس کو ختم کرنے کو تیار نہ ہو۔ نوالہ چھیننے والے دوسرے کئی ظلم بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن چھینے ہوئے نوالہ کی جگہ دوسرا نوالہ آنے کا راستہ روکنے والا کوئی اور ظلم نہیں۔ رہا چونکہ عملاً اللہ کی ربوبیت کو چیلنج کرنے کی جرأت کرتا ہے اور اس کی رزاقی کے رستے کا روڑا اس وقت تک بنا رہتا ہے جب تک انسانیت اپنے شرف سے محروم نہ ہو جائے لہٰذا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کا مستحق ٹھہرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ماں کے ساتھ زنا سے ستر درجے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

اب اگر ہم ان سولہ استحصالی اقدامات کا وقت نظر سے جائزہ لیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان سب کا آپس میں تدریجی ربط ہے۔ جیسے بیج بونے کا پودا نکلنے کے ساتھ یا پودا نکلنے کا پودا بڑے ہونے کے ساتھ اگر اس کا پہلا قدم پکڑا جا سکے تو پھر شاید باقی تمام اجزاء پر گرفت ممکن ہو جائے۔ چونکہ ہمارا مقصد سود کی جگہ دوسری اساس سرمایہ کاری کی ڈھونڈنا ہے اور چونکہ متعدد اساسیں تجویز کی گئی ہیں اس لیے انہیں قبول یا رد کرنے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ جو نتیجے سود کی اساس پیدا کرتی ہیں کہیں وہ نتیجے ہماری مجوزہ اساس تو پیدا نہیں کرے گی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں ہماری اساس پیداواری عمل پر بوجھ بن کر اسے محدود تو نہیں کرے گی کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گی تو اس سے وہ سب نتائج پیدا ہوں گے جو سودی نظام پیدا کرتا ہے درحقیقت کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اس کے متوقع پھل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس ضرورت کی وجہ سے علت حرمت کی یہ بحث نہ صرف رپورٹ کے سنگین خلاء کو پر کرنے کی کوشش ہے بلکہ اس سے ہمارے پاس ایک فنی کسوٹی آجاتی ہے جس سے رگڑ کر ہم اپنی اساسوں کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کر سکتے ہیں جو اساس پیداواری عمل کو تیز کرے گی اور اچھی ہوگی جو سود کی طرح اس کے راستے کا روڑا بنے گی وہ بری ہوگی اور پھر سولہ کی سولہ برائیاں اس بنیادی برائی کی وجہ سے اس میں نمودار ہو جائیں گی۔

ان شاءاللہ

سرسید احمد خانؒ

"ان شاءاللہ" عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اگر اللہ نے چاہا" ہم محض رسم اور دکھاوے یا عادت کے طور پر اپنے دوستوں، عزیزوں اور ملنے والوں سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم کل ان شاءاللہ آپ کے ہاں ضرور آئیں گے، ان شاء اللہ میں آپ کا یہ کام ضرور کردوں گا وغیرہ وغیرہ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہمارا جانے کا ارادہ ہوتا ہے نہ کام کرنے کا مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ کسی کا دل توڑیں یا انکار کر کے کسی سے برے بنیں، اس لیے بڑے جوش سے ان شاءاللہ کہہ دیتے ہیں جو ایسے موقع پر صریح گناہ اور معصیت ہے۔ ہمارا یہ جملہ اس درجے بدنام ہو چکا ہے کہ لفظ "ان شاء اللہ" کی کوئی عظمت ہمارے دلوں میں باقی نہیں رہی اور جب بھی ہم میں سے کوئی اپنے دوست سے کہتا ہے کہ میں ان شاءاللہ کل آپ کے ہاں آؤں گا تو وہ فوراً کہتا ہے "ان شاءاللہ نہیں پکا وعدہ کرو" گویا ہمیں مخاطب کے ان شاءاللہ کہتے ہی اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، ہرگز نہیں آئے گا یا کبھی میرا کام نہیں کرے گا۔ دوسری عادت ہم میں شرعی حیلے تلاش کر کے کسی کام سے بچنے کی اتنی پیدا ہو گئی ہے جس کی انتہا نہیں اور ایک دو میں نہیں، عوام سے لے کر خواص تک اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک اور جاہل سے لے کر عالم تک ہر شخص اس میں بری طرح مبتلا ہے۔ ان دونوں باتوں کے متعلق سرسید نے ظریفانہ اور مزاحیہ انداز میں ایک بہت پر لطف مضمون سوال و جواب کے پیرائے میں "ان شاءاللہ" کے عنوان سے تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا جس کو مولانا حالی نے اپنے ایک نوٹ کے ساتھ "حیات جاوید" میں درج کیا ہے۔ چنانچہ ہم حیات جاوید سے یہ مضمون یہاں نقل کرتے ہیں۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

"کافر۔ کافر"!

"کیوں حضرت کافر کیوں؟"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا انا مومن ان شاءاللہ (ان شاءاللہ میں مومن ہوں)

"کافر کافر ایوں کہو "انا مومن حقاً (میں یقیناً مومن ہوں) اس جگہ ان شاءاللہ کا لفظ نہیں کہتے۔ ایسے موقع پر یوں بولنا کفر ہے۔"

"پھر حضرت کس جگہ کہتے ہیں؟"

"قسم سے بچنے، وعدہ نہ کرنے، بے گناہ کو دھوکا دینے، جھوٹ بولنے اور جھوٹا نہ ہونے میں۔"

"حضرت! پھر تو ان شاءاللہ خوب دوزار ہے، کیا مسلمانوں کا برتاؤ اسی مسئلے پر ہے؟"

"ہاں جو پرہیزگار، مولوی، عالم، شرع پر چلنے والے ہیں، گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں وہ ہمیشہ اسی پر خیال رکھتے ہیں۔"

"حضرت! میں تو نہیں سمجھتا۔"

"فقہ پڑھی ہو، اصول فقہ کو جانتا ہو، عالموں کی صحبت اٹھائی ہو تو جانو۔ جاہل کندہ ناتراش، نہ پڑھے نہ لکھے، جانو تو کیا جانو!"

"حضرت آپ ہی سمجھا دیجیے۔"

"ارے میاں! "ان" کے معنی "اگر"، "شاء" کے معنی "چاہا"، اللہ کے معنی تو اللہ کے ہیں ہی، مگر وہ فاعل واقع ہوا ہے۔ جس کے معنی "نے" کے ہوتے ہیں۔ ان سب کو ملاؤ تو یہ معنی ہوئے "اگر چاہا اللہ نے" اب دو مسئلے فقہ کے اور سمجھ لو۔ اگر کوئی امر کسی پر مشروط ہو اور بسبب نہ پورے ہونے شرط کے ادا نہ کیا جائے تو کچھ گناہ لازم نہیں آتا "اذا فات الشرط فات المشروط" ایک مسئلہ ہوا؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خالق جمیع افعال عباد کا خدا ہے۔ پس جب ان دونوں مسئلوں کو ملا کر ان شاءاللہ کے معنوں کو دیکھو تو ان شاءاللہ کہنے کے بعد کچھ گناہ نہیں رہتا۔"

"حضرت! میں مسئلے کو بخوبی سمجھ گیا، مگر اب تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ گناہ کیونکر نہیں رہتا؟ کیا وہ لفظوں کے الٹ پھیر سے الٹ جاتا ہے؟"

"جاہل! اور کیا؟ ہماری جیب میں ایک گھڑی ہے، ہمارے دوست کو اس کی ضرورت ہے۔ جب اس نے ہم سے مانگی، ہم نے کہا کہ ہمارے گھر میں کوئی گھڑی ہی نہیں۔ اس نے کہا "قسم تو کھاؤ" ہم نے کہا "خدا کی قسم، ہمارے گھر میں کوئی گھڑی نہیں۔" ہمارے گھر میں ایک اشرفی رکھی ہے، ہمارے دوست نے ہم سے اشرفی مانگی۔ ہم نے کہا "ہمارے پاس کوئی اشرفی نہیں" اس نے کہا "قسم تو کھاؤ" ہم نے کہا "خدا کی قسم ہمارے پاس کوئی اشرفی نہیں" کیوں سچ بات ہوئی کہ نہیں؟ بات ہی بات میں گناہ الٹ گیا کہ نہیں؟ یہ تو باتیں ہی باتیں ہوئیں؟ روپے، پیسے، سود، بیع کے معاملے میں بھی لفظوں ہی کے الٹ پھیر سے گناہ الٹ جاتا ہے۔ تولہ بھر سونا سولہ روپے کی قیمت کا ہم سے قرض لو۔ سود سے بچنے کو کہہ لو کہ ہمیں تو لے چاندی لیں گے۔ سولہ تولے چاندی میں وہی تولہ بھر سونا آیا اور چار تولے چاندی سود میں بیچ رہی اور سود نہ

ہوا۔ کھوٹا سونا جس میں ذرا سا تانبے کا میل ہو قرض دو اور اسی وزن کے برابر کھرا سونا لے لو، مال تو زیادہ کا ہاتھ لگ گیا اور سود نہ ہوا۔ مکان گروی رکھو، راھن سے کہلوالو کہ سکونت میں نے بکل کی۔ کرائے کا فائدہ ہوا اور سود نہ ہوا۔ گاؤں گروی لو، مثلاً ہزار روپے کو جس میں دو سو روپے سالانہ کا فائدہ ہو، راہن سے اسی روپے سال دینے کے اقرار پر بیٹا لکھوالو اور گاؤں پر قبضہ کرلو۔ کل منافع تحصیل کرو۔ ایک سو بیس روپے سال سود کے بچے کے نام سے بچے کہ نہیں؟ اور سود نہ ہوا؟"

"حضرت کیا یہ ہوتا ہے؟"

"خدا کی قسم! سب کرتے ہیں۔ جتنے مقدس، خدا پرست، وہابی، نیم وہابی، مقلد، حنفی، زمیندار، تعلقہ دار ہیں سب کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مولویوں نے فتوے دے دیئے ہیں۔ اب سمجھے کہ لفظوں کے الٹ پھیر سے گناہ پلٹ گیا کہ نہیں۔ کوئی ہمارے پاس زکوٰۃ کا روپیہ لائے اور ہم مستطیع ہوں، ابھی گھر میں جا کر بیوی سے کہہ دیں کہ ہم نے اپنا کل مال تم کو ہبہ کیا۔ اب مفلس ہو گئے کہ نہیں؟ باہر آویں اور زکوٰۃ کا روپیہ لے لیں۔ باتیں ہی تو ہیں، ان باریکیوں کے سمجھنے کے لئے علم درکار ہے۔"

"بھلا حضرت! یہ تو ہوا، ان شاء اللہ والی بات رہ گئی، اس کو بھی کسی مثال سے سمجھا دو۔"

"ارے میاں یوں سمجھو کہ ہم نے تمہارا دل خوش کرنے کو تم سے کہہ دیا کہ ہم کل تمہارے ہاں آویں گے ان شاء اللہ، ہمارا ارادہ آنے والے کا کچھ نہ تھا، یوں ہی کہہ دیا تھا، جب نہ گئے تو معلوم ہوا کہ خدا نے نہیں چاہا۔ اس لیے وعدے کو مشروط کیا تھا۔ "اذا فات الشرط فات المشروط" بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا۔ کبھی تم عدالت میں گواہی دینے بھی گئے ہو؟"

"ہاں صاحب! ایک دفعہ گیا تھا، میں نے تو جو سچ تھا کہہ دیا تھا، مگر میرا بھائی مقدمہ ہار گیا، میں کیا کرتا، وہاں ایک کالی مخمل کی گول چنٹ دار ٹوپی پہنے ہوئے گوری رنگت کا مسلمان مولوی کرسی پر بیٹھا تھا، اس نے قسم دی کہ سچ کہنا، میں جھوٹ بولنے سے ڈر گیا، سچ کہہ دیا۔"

"ہاں فقہ نہ جاننے سے، عالموں کی صحبت نہ اٹھانے سے یہی تو نتیجہ ہوتا ہے۔ ارے! جب اس مولوی جج نے قسم دی تھی کہ سچ بولنا، تو نے کہا ہوتا کہ خدا کی قسم سچ بولوں گا ان شاء اللہ۔ اگر وہ جج نام کا مولوی تھا اور فقہ نہ جانتا تھا تو پکار کر ہی ان شاء اللہ کہہ دیا ہوتا اور اگر وہ مولوی تھا اور فقہ سے بدلائی آن پڑی تھی تو پکار کر کہا ہوتا کہ خدا کی قسم! سچ بولوں گا اور جھٹ پٹ دل میں کہہ لیا ہوتا ان شاء اللہ، مگر یہ خیال رکھا ہوتا کہ سانس نہ ٹوٹنے پائے ورنہ ان شاء اللہ کا جوڑ ٹوٹ جاتا، پھر جو چاہتے وہ کہہ دیتے، ذرا بھی جھوٹی قسم کھانے کا گناہ نہ ہوتا۔"

"حضرت! باتیں تو آپ نے خوب بنائیں، مگر میں حیرت میں ہو گیا۔ اب تو رخصت ہوتا ہوں اور کسی سے بھی تحقیق کروں گا۔ میرا دل دھکڑ پکڑ کر رہا ہے۔"

"تم جس مولوی سے چاہنا پوچھنا، یہی بتا دے گا۔ کہو تو میں ابھی ہدایہ، شرح وقایہ، درمختار، بحر الرائق، نہر الفائق اور بڑے بڑے معتبر فتاووں سے ہر ایک جزئی کی روایت نکال دوں اور تم نے وہ فتاوی بھی دیکھا ہے جو پرانے خاندانی مولویوں اور قاضیوں کے ہاں ہوتا ہے؟ میں اس وقت اس کا نام بھول گیا ہوں، یاد آجاوے گا تو بتا دوں گا۔ اس میں ہر ایک مسئلے کی نسبت دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک میں جائز حلال اور دوسری میں ناجائز حرام لکھ رکھا ہے۔ پھر جونسی روایت کے مطابق چاہا فتویٰ لے لیا۔ بہت ہوا روپیہ، دو روپے، فتوے کے نام سے نہیں، اور کسی نام سے کبھی کبھی دیتے رہے۔ کیوں؟ بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا کہ نہیں؟ مگر اس زمانے میں جو کمبخت مقلدین فلاسفہ ملاحدہ نکلے ہیں وہ تو مذہب اسلام کی جڑ کاٹتے ہیں۔ یا اللہ! کیا مشکل پڑی ہے۔"

تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک پیر مرد متبرک صورت سفید ریش ملے، جانا کہ یہ بھی کوئی مولوی ہیں، پکار کر کہنے لگے کہ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی کیا کوئی مذہبی مسئلہ ہے؟ بولے "حضرت! ہاں مذہب کا مسئلہ ہے" انہوں نے کہا کہ بھائی نہ میں مولوی نہ مولوی کی دم، مجھ سے اور مذہبی مسئلوں کے پوچھنے سے کیا واسطہ! کسی مولوی صاحب سے جا کر پوچھو۔ اسی شہر میں بہت سے مولوی ہیں۔ یہاں سے دس پندرہ کوس پر نامی نامی قصبے ہیں، وہاں مولویوں کے ڈھیر کے ڈھیر ہیں، وہاں جا کر پوچھو۔"

"نہیں حضرت! میں آپ ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں، آپ کا نام بھی تو مشہور ہے۔"

"ارے میاں شیطان کا نام تو مجھ سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ ابھی ویسے شہرت تو مجھ کو ہوئی بھی نہیں۔ میں نیچری مشہور ہوں، ملا مولوی نہیں ہوں، مجھ سے مت پوچھو۔"

"حضرت! اگر مولوی ملاؤں سے دل کو تسکین ہوتی تو آپ تک کیوں آتے؟ جب دل ہی کو تسکین نہ ہو تو مولوی ملاؤں کو کیا کریں؟ پھر آپ نیچری ہوں یا چنچری، بے پوچھے تو دل مانتا نہیں، خدا کے واسطے بتا ہی دو۔"

"اچھا صاحب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ مگر میں کسی فتاوی وتاوی کو نہیں جانتا، خدا کی کتاب اور خدا کے فتاوی یعنی کو جو سب کی آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ جانتا ہوں، جو کہوں گا اسی سے کہوں گا۔"

"بہت اچھا! آپ اسی سے فرمایئے گا، میں پوچھتا ہوں کہ آپ "ان شاء اللہ" کو جانتے ہیں؟"

ہوا۔ کھوٹا سونا جس میں ذرا سا تانبے کا میل ہو قرض دو اور اسی وزن کے برابر کھرا سونا لے لو، سال تو زیادہ کا ہاتھ لگ گیا اور سود نہ ہوا۔ مکان گروی رکھو، راہن سے کہلوالو کہ سکونت میں نے بحل کی۔ کرائے کا فائدہ ہوا اور سود نہ ہوا۔ گاؤں گروی لو، مثلاً ہزار روپے کو جس میں دو سو روپے سالانہ کا فائدہ ہو، راہن سے اسی روپے سال دینے کے اقرار پر پٹا لکھوالو اور گاؤں پر قبضہ کرلو۔ کل منافع تحصیل کرو۔ ایک سو بیس روپے سال سود کے پٹے کے نام سے بچے کہ نہیں؟ اور سود نہ ہوا''

''حضرت کیا یہ ہوتا ہے؟''

''خدا کی قسم! سب کرتے ہیں۔ جتنے مقدس، خدا پرست، وہابی، نیم وہابی، مقلد، حنفی، زمیندار، تعلقہ دار ہیں سب کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مولویوں نے فتوے دے دیئے ہیں۔ اب سمجھے کہ لفظوں کے الٹ پھیر سے گناہ پلٹ گیا کہ نہیں۔ کوئی ہمارے پاس زکوٰۃ کا روپیہ لائے اور ہم مستطیع ہوں، ابھی گھر میں جا کر بیوی سے کہہ دیں کہ ہم نے اپنا کل مال تم کو ہبہ کیا۔ اب مفلس ہو گئے کہ نہیں؟ باہر آویں اور زکوٰۃ کا روپیہ لے لیں۔ باتیں ہی تو ہیں، ان باریکیوں کے سمجھنے کے لئے علم درکار ہے۔''

''بھلا حضرت! یہ تو ہوا، ان شاء اللہ والی بات رہ گئی، اس کو بھی کسی مثال سے سمجھا دو۔''

''ارے میاں یوں سمجھو کہ ہم نے تمہارا دل خوش کرنے کو تم سے کہہ دیا کہ ہم کل تمہارے ہاں آویں گے ان شاء اللہ، ہمارا ارادہ آنے وانے کا کچھ نہ تھا، یوں ہی کہہ دیا تھا، جب نہ گئے تو معلوم ہوا کہ خدا نے نہیں چاہا۔ اس لیے وعدے کو مشروط کیا تھا۔ ''اذا فات الشرط فات المشروط'' بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا۔
کبھی تم عدالت میں گواہی دینے بھی گئے ہو؟''

''ہاں صاحب! ایک دفعہ گیا تھا، میں نے تو جو سچ تھا کہہ دیا تھا، مگر میرا بھائی مقدمہ ہار گیا، میں کیا کرتا، وہاں ایک کالی مخمل کی گول چنٹ دار ٹوپی پہنے ہوئے گوری رنگت کا مسلمان مولوی کرسی پر بیٹھا تھا، اس نے قسم دی کہ سچ کہنا، میں جھوٹ بولنے سے ڈر گیا، سچ کہہ دیا۔''

''ہاں فقہ نہ جاننے سے، عالموں کی صحبت نہ اٹھانے سے یہی تو نتیجہ ہوتا ہے۔ ارے! جب اس مولوی جج نے قسم دی تھی کہ سچ بولنا، تو نے کہا ہوتا کہ خدا کی قسم سچ بولوں گا ان شاء اللہ۔ اگر وہ جج نام کا مولوی تھا اور فقہ نہ جانتا تھا تو پکار کر ہی ان شاء اللہ کہہ دیا ہوتا اور اگر وہ مولوی تھا اور فقیہ بے فقیہ سے بدلائی آن پڑی تھی تو پکار کر کہا ہوتا کہ خدا کی قسم! سچ بولوں گا اور جھٹ پٹ دل میں کہہ لیا ہوتا ان شاء اللہ، مگر یہ خیال رکھا ہوتا کہ سانس نہ ٹوٹنے پائے ورنہ ان شاء اللہ کا جوڑ ٹوٹ جاتا، پھر جو چاہتے وہ کہہ دیتے، ذرا بھی جھوٹی قسم کھانے کا گناہ نہ ہوتا۔''

''حضرت! باتیں تو آپ نے خوب بتائیں، مگر میں حیرت میں ہو گیا۔ اب تو رخصت ہوتا ہوں اور کسی سے بھی تحقیق کروں گا۔ میرا دل دھکڑ پکڑ کر رہا ہے۔''

''تم جس مولوی سے چاہنا پوچھنا، یہی بتا دے گا۔ کہو تو میں ابھی ہدایہ، شرح وقایہ، درمختار، بحرالرائق، نہر الفائق اور بڑے بڑے معتبر فتاووں سے ہر ایک جزئی کی روایت نکال دوں اور تم نے وہ فتاویٰ بھی دیکھا ہے جو پرانے خاندانی مولویوں اور قاضیوں کے ہاں ہوتا ہے؟ میں اس وقت اس کا نام بھول گیا ہوں، یاد آجاوے گا تو بتا دوں گا۔ اس میں ہر ایک مسئلے کی نسبت دو دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک میں جائز حلال اور دوسری میں ناجائز حرام لکھ رکھا ہے۔ پھر جونسی روایت کے مطابق چاہا فتویٰ لے لیا۔ بہت ہوا روپیہ، دو روپے فتوے کے نام سے نہیں، اور کسی نام سے کبھی کبھی دیتے رہے۔ کیوں؟ بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا کہ نہیں؟ مگر اس زمانے میں جو کمبخت مقلدین فلاسفہ ملاحدہ نکلے ہیں وہ تو مذہب اسلام کی جڑ کاٹتے ہیں۔ یا اللہ! کیا مشکل پڑی ہے۔'' ع

تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک پیر مرد متبرک صورت سفید ریش ملے، جانا کہ یہ بھی کوئی مولوی ہیں، پکار کر کہنے لگے کہ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی کیا کوئی مذہبی مسئلہ ہے؟ بولے ''حضرت! ہاں مذہب کا مسئلہ ہے'' انہوں نے کہا کہ بھائی نہ میں مولوی نہ مولوی کی دم، مجھ سے اور مذہبی مسئلوں کے پوچھنے سے کیا واسطہ! کسی مولوی صاحب سے جا کر پوچھو۔ اسی شہر میں بہت سے مولوی ہیں۔ یہاں سے دس پندرہ کوس پر نامی قصبے ہیں، وہاں مولویوں کے ڈھیر کے ڈھیر ہیں، وہاں جا کر پوچھو۔''

''نہیں حضرت! میں آپ ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں، آپ کا نام بھی تو مشہور ہے۔''

''ارے میاں شیطان کا نام تو مجھ سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ ابھی ویسے شہرت تو مجھ کو ہوئی بھی نہیں۔ میں نیچری مشہور ہوں، ملا مولوی نہیں ہوں، مجھ سے مت پوچھو۔''

''حضرت! اگر مولوی ملاؤں سے دل کو تسکین ہوتی تو آپ تک کیوں آتے؟ جب دل ہی کو تسکین نہ ہو تو مولوی ملاؤں کو کیا کریں؟ پھر آپ نیچری ہوں یا پیچری، بے پوچھے تو دل مانتا نہیں، خدا کے واسطے بتا ہی دو۔''

''اچھا صاحب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ مگر میں کسی فتاویٰ وتاویٰ کو نہیں جانتا، خدا کی کتاب اور خدا کے فتاویٰ کو جو سب کی آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ جانتا ہوں، جو کہوں گا اسی سے کہوں گا۔''

''بہت اچھا! آپ اسی سے فرمائیے گا، میں پوچھتا ہوں کہ آپ ''ان شاء اللہ'' کو جانتے ہیں؟''

"خوب جانتا ہوں، ہماری دلی کے رہنے والے تھے، بڑے شاعر تھے، مزاج میں ظرافت تھی۔ ان کے یہ اشعار مجھے یاد ہیں، پہلے مصرع میں شاید کچھ لفظ اول بدل ہوگئے ہیں۔

مولوی کہتے ہیں ہم کو تو نے کیوں رسوا کیا
کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر ہم نے کیا کیا
واسطہ، باعث، سبب، موجب، جہت کچھ بات تھی
راز وہ کمبخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا
کیا کہا، کس سے کہا، کس نے سنا، کب کس گھڑی
کس جگہ، کس وقت، کس دم آپ کا چرچا کیا

"حضرت! میں آپ سے انشاء اللہ خان کا حال نہیں پوچھتا، "ان شاء اللہ" کے لفظ کی نسبت حکم شرع کا پوچھتا ہوں کہ کس مراد اور کس مطلب سے اور کس مقام پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے؟"

"یہ کہو! ذرا مجھ کو خدائی فتاوی نیچر دیکھ لینے دو۔ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ تم کو کسی کام کی نسبت یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں کل کروں گا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اگر خدا چاہے تو میں کل کروں گا۔ خدا سبب علۃ العلل ہونے کے ہر کام کو خواہ انسان کرے یا حیوان، اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس لیے انسان کو بھی لازم ہے کہ ہر چیز کو خدا سے متعلق کرے۔ پس جس بات پر ان شاء اللہ کا لفظ کہا جاتا ہے تو ان شاء اللہ کے لفظ سے اس بات پر تعلیق ہوتی ہے اور وعدے کو زیادہ استحکام ہوتا ہے۔ سننے والے کو کامل یقین ہوجاتا ہے کہ وعدہ کرنے والے نے خدا پر اس وعدے کی تعلیق کی ہے تو ضرور اس کو پورا کرے گا۔ اگر تم نے کسی سے وعدہ کیا کہ میں کل تمہارے گھر آؤں گا اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا اور نہیں گئے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوا اور اگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ بھی کہا اور پھر نہ گئے تو تین گناہ ہوئے۔ ایک وعدے کا، دوسرا اس بات کا کہ جس سے وعدہ کیا گیا تھا اس کو وعدہ پورا کرنے کا زیادہ یقین دلایا اور وعدہ پورا نہ کیا، تیسرا اس بات کا کہ خدا کو ضامن دیا اور اس کے نام کی عزت کا بھی کچھ ادب نہ کیا۔ اگر کسی بات پر قسم کھا کر ان شاء اللہ کہا ہو تو تم قسم توڑنے پر گناہ سے نہیں بچتے، بلکہ دگنا گناہ ہوتا ہے، قسم توڑنے کا، خدا کے ساتھ تعلیق کرکے اس کا ادب نہ کرنے کا۔ جب قسم کھائی کہ سچ کہوں گا اور ظاہر میں یا دل میں ان شاء اللہ کہہ لیا اور پھر جھوٹ بولے تو تین گناہ ہوئے، جھوٹ بولنے کا، قسم توڑنے کا، خدا پر تعلیق کرکے اس کا ادب نہ کرنے کا۔ جس بات کا وعدہ کیا جاتا ہے، جب مصمم اور نہایت مضبوطی اور سچی نیت سے اس کے پورا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، اس وقت اس کے ساتھ ان شاء اللہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تم نے ایک مولوی

سے کہا کہ میں تم کو ان شاء اللہ دس روپے دوں گا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ضرور بے شک تم کو دس روپے دوں گا۔"

"حضرت! اپنے وعدوں کی نسبت تو مولوی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ لغو نہیں رہتا، بلکہ بحکم نصوص صریحہ مثل زکوۃ اور نذر معین کے واجب ہوجاتا ہے۔ مگر اور جگہ کہتے ہیں کہ نہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوتا ہے، نہ قسم ٹوٹنے کا گناہ ہوتا ہے اور ان شاء اللہ کو ایک سپر (ڈھال) بناتے ہیں جو ہر ایک حربے سے بچا لیتی ہے۔ حضرت! خدا مارے یا چھوڑے، ان مولویوں نے جو اسلام بنا رکھا ہے اگر وہی اسلام ہے تو میرا سلام۔ اس سے نیچری ہی اچھے جو سچائی کو اسلام بتاتے ہیں۔"

حواشی

۱۔ (گویا ایک مولوی کا فقیہ کا ایک جاہل آدمی سے خطاب ہے اور اس نے جو یہ لفظ کہا ہے کہ انا مومن ان شاء اللہ (ان شاء اللہ میں مومن ہوں) اس پر اس کو کافر ٹھہراتا ہے۔ حالی)

۲۔ (یہاں تک مولوی اور اس کے جاہل مخاطب کی گفتگو تھی۔ اس کے بعد گویا آرٹیکل لکھنے والا کہتا ہے کہ اس جاہل کا مقابلہ راہ میں نیچریوں کے کسی سرگروہ سے ہوگیا، پھر ان دونوں کے سوال و جواب ہیں۔ حالی)

۳۔ خدا کے فتاوی سے مراد فطرت انسانی ہے جس میں حسن و قبح اشیاء کا علم ودیعت کیا گیا ہے اور جس کی طرف مخبر صادق نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ "استفت قلبک ولو افتاک المفتون" (اپنے دل سے فتویٰ پوچھو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔ مفتیوں کا فتویٰ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) اور جو لوگ اس فتاوی کے موافق عمل کرتے ہیں وہ مفتیوں کے فتووں سے مستغنی ہیں۔ چنانچہ ہم نے خود دیکھا کہ نواب مصطفی خان مرحوم جس جاگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گروی تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اس کو چھڑانا چاہا۔ ہر چند کہ رہن نامے میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف و مباح کردیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک بخوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتویٰ دے دیا تھا مگر ان مرحوم و مغفور نے یہی حدیث پڑھی کہ استفت قلبک ولو افتاک المفتون اور جس قدر حاصل اس موضع سے وصول ہوا تھا سب زر رہن میں سے مجرا دے کر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ (حالی)

علم نجوم کے اصول اور مبادی

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث، دار العلوم نعیمیہ، کراچی

علم نجوم کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ عالم تحت القمر یا ارسطاطالیسی "عالم الکون والفساد" میں جتنی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان سب کا اجرام سماوی کے مخصوص طبائع اور حرکات سے قریبی تعلق ہے۔ انسان، جو عالم اصغر ہونے کی حیثیت سے پورے عالم اکبر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے، بالخصوص ستاروں کی تاثیرات کے تابع ہے، اس میں خواہ ہم بطلیموس کی پیروی میں واضح طور پر اس عملی نظریے کو تسلیم کریں کہ اجرام فلکی سے نکلی ہوئی شعاعوں سے ایسی قوتیں یا اثرات خارج ہوتے ہیں جو معمول (قابل) کی طبیعت کو عامل (فاعل) کی طبیعت کے مطابق بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہم خیال ہونے کی غرض سے اجرام سماوی کو آئندہ ہونے والے واقعات کا اصل فاعل نہ مانتے ہوئے محض ان واقعات کی نشانیاں (دلائل) تصور کریں۔ ستاروں کا اثر ان کی انفرادی نوعیت پر، نیز زمین یا دوسرے ستاروں کے لحاظ سے ان کے مقام پر منحصر ہے، لہٰذا عالم کون وفساد کے واقعات اور انسانی زندگی کے نشیب وفراز ہمیشہ لاتعداد اور نہایت متنوع بلکہ متناقض سماوی اثرات کے نہایت ہی پیچیدہ اور متغیر امتزاج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو جاننا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ نظر میں رکھ کر دیکھنا منجم کا محنت طلب کام ہے۔

آخر میں جغرافیائی عنصر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ روئے زمین کی ہر اقلیم ایک خاص برج اور ایک خاص سیارے کی تاثیر کے تابع ہے، لہٰذا مختلف ملکوں کے افراد کے لئے افلاک کی حالت سے ایک ہی جیسی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔

نجومی کا یہ "ساز وسامان" ایک خاص وضع وقطع کا ہے۔ اس کا استعمال بھی اس سے کم پیچیدہ

نہیں۔ مسلمان منجمین کا فن تین بڑے نظاموں میں محدود قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ نظام مسائل (استفسارات یا سوالات) جس کی غرض وغایت ایسے سوالوں کا جواب دینا ہے جو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ہوں، یعنی جب سائل کسی غیر حاضر شخص کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے یا اسے کسی چور کا سراغ لگانا مقصود ہو یا کسی کھوئی ہوئی چیز کا پانا مطلوب ہو۔ یہ نجوم کا سب سے زیادہ آسان اور عام شعبہ ہے۔ ۲۔ نظام اختیارات (Electiones) یعنی کسی نہ کسی کام کے سرانجام دینے کا سعد وقت۔ اس وقت کے تعین کے لئے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ چاند اس وقت کس برج میں ہے۔ جو احکامی ہندی طریقوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ بارہ برجوں کے بجائے چاند کی ۲۸ منزلوں کا شمار کرتے ہیں۔ ۳۔ نظام سہام الموالید (Genethliological System) یا مسلم مصنفین کی اصطلاح میں جس نظام کی بنیاد تحاویل السنین (Revolutiones Annorum) پر ہے یعنی ان اصطلاحی یا وضعی سالوں یا انکے حصوں پر جو کسی فرد کی پیدائش یا کسی حکومت، فرقے، یا مذہب یا کسی شہر کی تاسیس وغیرہ سے شروع کر کے اب تک گذر چکے ہوں یا گذرے ہوئے سمجھے جائیں۔ اس نظام کا بنیادی اصول دوسرے نظاموں سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ ٹھیک پیدائش کے وقت کرۂ سماوی کی خاص صورتحال اٹل طور پر نوزائیدہ کی قسمت کی ہمیشہ کے لئے حد بندی کر دیتی ہے اور اس کے بعد اس کی زندگی بنیادی طور پر کرۂ سماوی کی آئندہ پیش آنے والی تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوتی۔ یہ بطلیموس کا نظام ہے، جس میں اختیارات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے اور جو کچھ ہے اس کی حیثیت مضمرات کی ہے۔ اس کے ہاں نظام مسائل کے لئے ایک لفظ تک نہیں، نیز اس نظام میں دوسرے دو نظاموں کی نسبت فنی دقتیں زیادہ ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۔ ۱۴، ص ۳۰۷۔ ۳۰۵، ملخصا، دانش گاہ پنجاب لاہور)

علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ قسطنطنی المتوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ ان قواعد کا علم ہے جس سے تشکلات فلکیہ یعنی افلاک اور کواکب اوضاع مخصوصہ مثلاً مقارنت، اور مقابلت وغیرہ سے دنیا کے حوادث ان کے مرنے اور جینے بننے اور بگڑنے اور دیگر احوال کی معرفت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ستاروں پر ایمان لایا وہ کافر ہو گیا لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نجومی کا اعتقاد یہ ہو کہ ستارے عالم کی تدبیر میں مستقل ہیں۔

علم نجوم کی توجیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہو کہ بعض حوادث بعض دوسرے حوادث کا سبب ہوں، لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سیارے نحوست (اور اسی

سعادت) کے لئے عادۃ اسباب اور علت ہیں، نہ اس پر کوئی حسی دلیل ہے نہ سمعی اور نہ عقلی۔ حسی دلیل کا نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور عقلی دلیل اس لئے نہیں ہے کہ سیاروں کے متعلق ان کے اقوال متضاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عناصر سے مرکب نہیں ہیں بلکہ ان کی طبیعت خامسہ ہے پھر کہتے ہیں کہ زحل سرد خشک ہے اور مشتری گرم تر ہے اس طرح انہوں نے عناصر کے خواص کو کواکب کے لئے ثابت کیا۔ اور شرعاً اس لئے صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص ستاروں کے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا یا منجم کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا۔

دیگر احادیث اس طرح ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو شخص عراف یا ساحر یا کاہن کے پاس گیا اس سے سوال کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۵۴۰۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۲، عالم الکتب)

خصوصیت کے ساتھ نجومیوں کے متعلق یہ حدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا اس نے جادو سے اقتباس کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۰، دار الفکر)

کشاف اصطلاحات الفنون میں مذکور ہے کہ اس علم کا موضوع ستارے ہیں اس حیثیت سے کہ ستاروں سے اس جہان کے احوال اور مسائل معلوم ہوں، جیسے ان کا یہ قول ہے کہ جب سورج اس مخصوص جگہ پر ہو تو وہ اس جہان میں فلاں چیز کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اصحاب علم نجوم کا یہ زعم ہے کہ وہ سیاروں کی قوتوں کی معرفت سے اس جہان کی چیزوں کو پیدا ہونے سے پہلے جان لیتے ہیں۔

علم نجوم کے بطلان پر یہ دلیل کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خود کسی ترکیب، کسی صنعت اور کسی طریقے سے غیب کا علم حاصل کیا نہ امت کو اس کی تعلیم دی، انبیاء علیہم السلام کو صرف وحی سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہوتا تھا۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۳۱۔۱۹۳۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ

طہران، ۱۳۷۸ھ)

علم نجوم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (امام غزالی، امام بخاری، علامہ طیبی، ملا علی قاری، علامہ شامی، امام احمد رضا، علامہ امجد علی، مفتی احمد یار خاں، مفتی وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ وغیرہم کی آراء)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں: علم نجوم کے احکام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسباب سے حوادث پر استدلال کرتے ہیں لیکن شریعت میں یہ علم مذموم ہے حدیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو بحث نہ کرو، اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۴۲۷، یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۴۴۸، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۲۳۔۲۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے بعد اپنی امت پر پانچ چیزوں کا خطرہ ہے۔ تقدیر کی تکذیب کرنا اور ستاروں کی تصدیق کرنا۔ (ابو یعلیٰ نے صرف دو کا ذکر کیا ہے) (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۴۱۳۵، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۹۲۶)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا خطرہ ہے ستاروں سے بارش کو طلب کرنا، سلطان کا ظلم کرنا اور تقدیر کی تکذیب کرنا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۹۰ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۷۴۳، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اس کی سند میں یزید رقاشی ضعیف ہے باقی راوی ثقہ ہیں)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آخر زمانہ میں مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ ستارے ہیں، تقدیر جھٹلانا ہے اور سلطان کا ظلم کرنا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۱۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۳، اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں)

امام غزالی فرماتے ہیں نجوم کے احکام محض ظن، تخمین اور اندازوں پر مبنی ہیں، اور ان کے متعلق کوئی شخص یقین یا ظن غالب سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا، لہٰذا اس پر حکم لگانا جہل پر حکم لگانا ہے، سو نجوم کے احکام اس لئے مذموم ہیں کہ یہ جہل ہیں نہ اس حیثیت سے کہ یہ علم ہیں، یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا (دراصل وہ علم رمل تھا یعنی لکیروں سے زائچہ بنانے کا علم وہ نجوم کا علم نہیں تھا) اب یہ علم مٹ چکا